حاضرین میں بیٹھے فارس نے بور سے ہو کر گردن کو دائیں کندھے کی طرف جھکایا' پھر بائیں کندھے کی طرف۔ گویا پٹھوں کو آرام دیا۔ پھر ایک سرسری سی نگاہ اردگرد دم سادھے بیٹھے حاضرین پہ ڈالی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر امڈ امڈ کر اوپر آنے لگا تو اس نے اسے ٹھیلیا.... گویا پیالے میں رکھی کوئی یاد ہو جسے چھونے سے انسان وقت میں پیچھے چلا جائے....

(دو ماہ پہلے)

لونگ روم کی کھڑکی پہاڑوں کی گردن تک اترے اجلے اجلے بادل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کھڑکی کے نیچے رکھے صوفے پہ بیٹھا نوعمر لڑکا الجھن سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

''کیسی کہانی سنانا چاہتے ہیں آپ؟ اور آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔''

فارس اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بھوری لیدر جیکٹ اور سیاہ جینز پہنے' وہ ٹھنڈی مگر نرم نگاہوں سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ گردن موڑی۔ نگاہ وہیل چیئر پہ مفلوج پڑے خاور تک جا ٹھہری۔

''تمہیں حنین نے ای میل کی ہوگی یقیناً۔ اور یہ کہا ہوگا کہ تمہارا باپ ایک قاتل ہے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' وہ کمزور سے سخت لہجے میں نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

فارس نے کافی دیر تک جواب نہیں دیا' بس وہ سرد نظروں سے خاور کی دائیں جانب ڈھلکی گردن دیکھتا رہا۔ آکسیجن ماسک سے وہ دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا' چہرے پہ مونچھیں داڑھی سب شیو کیا جا چکا تھا اور اب اگنے والے ننھے ننھے بال زیادہ تر سفید تھے۔ البتہ آنکھیں' وہ بدقت بائیں طرف کو گھوم گھوم کر فارس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں وہ سارے جذبات اور تاثرات اب بھی تھے جو اس ''حادثے'' سے قبل ان میں ہوتے تھے۔ ان میں زندگی تھی۔ اور انتقام کی خواہش۔

''تم سوچتے ہو گے خاور کہ اتنا عرصہ ان کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم کیوں نہ جان سکے کہ تمہارے بیٹوں کو بھی انہوں نے ہی مروایا تھا۔'' لڑکا چونک کر اسے دیکھنے لگا مگر فارس اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''انہوں نے تمہارا اعترافِ جرم بھی ریکارڈ کیا' تمہیں اپنا بھی لیا' تم سے کام بھی کروائے' مگر تمہیں اصلیت نہیں معلوم ہونے دی۔ وہ کیا ہے کہ ہر علم والے پہ ایک علم والا ہوتا ہے۔ جس mercenary سے انہوں نے یہ کام کروایا ہوگا یقیناً اس نے سارے ثبوت اور شواہد فارخ بریگیڈیئر بنگش کی طرف موڑ دیا ہوگا۔ یقیناً وہ تم سے زیادہ ذہین ہوگا۔ نہ ہو تب بھی جب انسان کی ذات انوالوڈ ہو جائے کسی حادثے میں تو غم اور غصہ اس کی سمجھداری کو دھندلا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کا ایک بلائنڈ سپاٹ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ذہین مار کھا جاتے ہیں۔ کیا زمر' کیا ہاشم اور کیا میں۔ اگر ہم سارے ذہین لوگ گھر کے بھیدیوں کے ڈھاتے لنکاؤں کا شکار نہ ہوں تو ہم تو خدا بن بیٹھیں۔ اور فرعون نے بھی تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا مگر اپنے گھر میں پلتے بچے کے بارے میں درست اندازہ نہ لگا سکا۔ ایسے ہی تو نہیں وہ خود کو خدا سمجھتا تھا۔ ٹیلنٹڈ' ذہین' سحر انگیز' بہت کچھ ہوگا وہ مگر مار کہاں کھائی؟'' خاور مزاحمتی انداز میں' غصے سے غاں غوں کی آوازیں نکال رہا تھا مگر ماسک کے باعث وہ گھٹ جاتی تھیں۔ لڑکا اس کی کرسی کے عین پیچھے جا کھڑا ہوا اور فکرمندی سے اس کا کمبل درست کرنے لگا۔

''میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے تمہاری حالت دیکھ کر افسوس نہیں ہوا۔ میں اپنے ساتھ وہ تمام ثبوت بھی لایا ہوں جن کو دیکھ کر تمہاری اپنی اولاد' تمہاری بیوی اور تمہاری ماں تمہاری اصلیت جان لیں گے اور میں جانتا ہوں وہ تم سے تب بھی محبت کریں گے لیکن وہ تمہاری عزت نہیں کریں گے۔ تم بھی تو جانو خاور' کہ بغیر عزت کے محبت کیسی ہوتی ہے۔ بغیر عزت کے وفا کیسی ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی گزارو۔ تمہیں ہر پل یاد دلایا جائے کہ یہ لوگ کون تھے۔'' اس نے فولڈر کھولا اور اندر سے بڑے بڑے فوٹو نکال کر سامنے میز پہ ڈالے۔ خاور کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور ان میں نمی سی تیر رہی تھی۔ ''یہ زرتاشہ ہے' یہ

وارث ہے اور یہ سعدی۔ میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارا بیٹا بھی ان کی کہانی مجھ سے سنے۔ کیا تم سنو گے؟'' اس نے نگاہیں اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ بالکل محو ہو کر' مگر بدستور متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا' اس سوال پہ معمول کی طرح سر ہلا دیا۔

جس وقت وہ واپس گھر پہنچا' زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے آگے یونہی کھڑی تھی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں مڑی۔ جانتی تھی وہ آ چکا ہے بلکہ کافی دیر کا آ چکا ہے' اور اس تازہ نقب زنی کی واردات کا کھوج لگاتا پھر رہا ہے۔ باہر گارڈز کو ڈانٹنے' غصہ کرنے کی آوازیں سب نے سنی تھیں۔ اور جب کوئی سراہا تھ نہ آیا تو اب وہ اندر آیا تھا۔ وہ ریک میں رکھی کتابوں پہ خواہ مخواہ انگلی پھیرتی رہی۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھوتی گردن پہ گر رہی تھی اور آنکھیں سوگوار لگتی تھیں۔ ناک کسی بھی زیور سے خالی تھی۔

''تم نے کچھ دیکھا؟ کسی سرخ مفلر واٹ ایور والے آدمی کو؟'' چابی اور والٹ میز پہ ڈالتے ہوئے اس نے ٹھہر کر زمر کو دیکھا۔

''نہیں۔ تم کہاں تھے سارا دن؟'' وہ اس کی طرف گھومی۔ نظریں ملیں۔

''میں.... یونہی.... آگے پیچھے۔'' وہ چہرہ جھکا کر رسٹ واچ اتارنے لگا۔

''کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اب ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے؟'' فارس کا گھڑی اتارتا ہاتھ رکا۔ چونک کر نظریں اٹھائیں۔ غور سے اسے دیکھا۔ ناک کو خالی دیکھ کر چونکا مگر پوچھا نہیں۔

''میں خاور کو ملنے گیا تھا۔ اس کے بیٹے کو اس کے بارے میں سب کچھ بتانے۔''

''احمر سے بات ہوئی تمہاری؟''

''سرسری سی ہوئی تھی ٹیکسٹ پہ۔ مل نہیں سکا۔ اس سے بھی حساب کتاب کرنا ہے ابھی۔''

''تم جانتے تھے اس کی اصلیت؟'' وہ سوال در سوال کر رہی تھی۔

''نہیں' زمر بی بی' مجھے دلوں کا حال نہیں معلوم ہوتا۔ حنین نے ہی بتایا تھا۔ خیر.... تم نے کیا کیا؟'' اب وہ پھر سے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

زمر پھیکا سا مسکرائی۔ جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ شرٹ کی آستینیں موڑتا پلٹ گیا۔

''میں نے تمہیں گروی رکھ دیا۔''

فارس واپس گھوما۔ ''مجھے کیا رکھ دیا؟''

''میں ہارون عبید سے ملنے گئی تھی۔'' فارس کے تاثرات تیزی سے بدلے۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ کچھ کہنے کو لب کھولے تو....

''نہیں' پہلے میری بات سنو۔'' وہ آگے بڑھی اور اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ ''میں سعدی کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی تھی' تمہیں بھی نہیں کھو سکتی تھی' میں کڈنی پیشنٹ ہوں' میں کبھی اپنی فیملی نہیں بنا سکوں گی' میرے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے اور مجھے اپنے لئے بھی انصاف چاہیے۔ ہارون عبید نے مجھے کہا تھا کہ میں فارس یا سعدی میں سے ایک کو چنوں۔ مگر میں نے خود کو چنا۔ میری جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اس میں ایک واحد امید کی کرن 'انصاف' ہے۔ مجھے یہ ٹرائل چاہیے۔ اور تم مجھے یہ نہیں دے سکتے تھے۔ تم اٹھتے بیٹھتے کہہ رہے تھے کہ ٹرائل کبھی نہیں ہوگا۔ اس مسئلے کا حل تمہارے پاس بھی نہیں تھا۔ ہارون صاحب کے پاس تھا۔''

''ٹرائل واقعی نہیں ہوگا زمر!'' وہ برہمی سے بولا تھا۔ ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

''ہارون اسے منا سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح مگر وہ اس کو ٹرائل تک لے جا سکتے ہیں۔ اگلی جنگ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑ لیں گے' جان لگا دیں گے مگر وہ میدان میں تو آئے نا۔''

''اور بدلے میں کیا مانگا ہارون صاحب نے؟'' وہ اسی درشتی سے بولا تھا۔ اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ زمر کی بے چین نگاہیں اس

کے چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔

''تمہیں مانگا تھا۔''

''اور میں تو جیسے کوئی کھلونا ہوں۔ ہے نا!''

''میں نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گی اگر وہ ہاشم کو ٹرائل تک لے آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنی بیٹی کے لئے چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے کچھ بھی کرلیں گے۔''

''تم مجھے چھوڑ دو گی؟'' اس کی آواز آخر میں.... بس آخر میں کانپی تھی' خوف سے' غصے سے۔

''جو میرا ہے فارس' وہ میرا رہے گا۔ موت کے علاوہ کچھ بھی ہمیں الگ نہیں کرسکتا۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم میری بات کو.... اس گیم کو غلط نہیں لو گے تو میں کبھی یہ ڈیل نہ کرتی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ میرا اگر میں انکار کر دیتی ہوں؟''

''اچھا۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اسی سنجیدگی سے میز کے کنارے بیٹھا۔ ''تو بعد میں تم اپنی بات سے کیسے مکرو گی؟''

''یہ سوچنا اور اس معاملے کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ تم میری حفاظت کرو گے' تم میرا دفاع کرو گے' اور جس دلدل میں میں نے خود کو ڈال دیا ہے' تم مجھے اس سے نکالو گے۔ ایک تمہاری وجہ سے ہی مجھے بے فکری تھی۔'' اس نے گردن کڑا کر بہت اعتماد سے کہا تھا۔ فارس کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے۔ ایسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

''تم یہ سب کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ بھی سکتی تھیں!''

''میں نے کہا نا' میں نے خود کو چنا ہے۔'' وہ اب متلاشی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ''تم خفا ہو؟''

''نہیں' مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ میں تمہیں کسی کام سے نہیں روکوں گا۔ آئی ایم سوری۔ اگر میں نے تمہیں یہ محسوس کروایا ہے کہ تم مجھے اعتماد میں لوگی تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے کام سے منع کردوں گا۔''

''اب اگر غصہ کرو گے تو کیسے آئے گا مجھے یہ اعتماد؟'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ دل البتہ دھڑک رہا تھا۔ وہ خفا تو لگ رہا تھا۔

''غصہ کیوں کروں گا۔ مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ دو خوبصورت عورتیں میرے لئے لڑ رہی ہیں۔'' اور وہ غصے میں ہی لگ رہا تھا۔ زمر کے ابرو خفگی سے کٹھے ہوئے۔ ہاتھوں سے ہاتھ نکال لئے۔

''ایک خوبصورت عورت!'' تنبیہہ کی۔

''ہاں' ایک خوبصورت عورت' ایک چڑیل سے میرے اوپر لڑ رہی ہے۔ حد ہے۔'' سر جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو برا لگا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ کچھ سخت نہ کہہ دے۔ زمر کہنا کچھ اور چاہتی تھی مگر منہ سے کچھ اور نکلا۔

''انہوں نے ضمانت کے طور پہ میری لونگ رکھ لی۔ جو تم نے دی تھی۔'' وہ جو آگے جا رہا تھا' تیورا کر گھوما۔ چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ آنکھیں پھیلیں۔

''واٹ؟'' وہ غرایا تھا۔ زمر دو قدم پیچھے ہوئی۔ چہرے پہ زمانوں کی سادگی طاری کرلی۔

''اس روز پولیس اسٹیشن میں وہ میرے پرس میں تھی' میں بار بار اس کی ڈبی کو نکال کر کھول کر بند کرتی تھی۔ کورٹ میں ضمانت کی سماعت کے دوران بھی وہ میرے پرس میں تھی اور میرا ہاتھ پرس کے اندر باہر ہی رہا تھا۔ میں اتنے دن سے اسے پہننا چاہ رہی تھی۔ ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر جب میں ان کے آفس گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ جانتے ہیں اس لونگ کا قصہ۔''

''اس کو کیسے پتا؟'' وہ پھر غرایا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''جب میں نے تم سے لونگ کے پیچھے جھگڑا کیا تھا تو صداقت وہیں تھا۔ ملازموں کی عادت ہوتی ہے۔ ادھر کی ادھر کرتے ہیں۔

اس نے کاردارز کے کسی ملازم کو کہا ہوگا' اور اس نے آگے۔ ہارون عبید ہمارے خاندان پہ عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پتہ ہوگا' ظاہر ہے۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے مجھ سے وہ مانگ لی۔'' وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔

''اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہارے بیگ میں ہے۔''

''سیکیورٹی چیک پوائنٹ پہ میرا پرس اسکین ہوا تھا نا' ایک جگہ پرس کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ امیج دیکھ کر ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ وہی لونگ ہے۔ شاید وہ صرف میرے اوپر اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہے تھے۔''

''اور تم نے وہ ان کو دے دی؟''

''پھر اور کیا کرتی؟ مجھے ان کو یقین دلانا تھا کہ میں سچ بول رہی ہوں۔''

''زمر.....زمر.....'' وہ ہاتھ اٹھا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' پھر ہاتھ گرا دیے۔ پہلے سر جھٹکا۔ پھر دائیں سے بائیں چکر کاٹنے لگا۔

''اب تم یوں کرو' مجھ سے خفا ہو جاؤ۔ تاکہ ہم آپس میں ہی لڑتے رہیں' اور باہر کے لوگوں سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ ہم یوں ہی خود ہی لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں۔''

''تمہارے نزدیک اس تحفے کی کوئی اہمیت نہیں تھی؟'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ایک پتھر تھا فارس' ایک پتھر کھو کر میں ایک انسان کو نہیں کھو سکتی' مجھے یقین تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ وہ لاجواب ہوا تھا۔ پھر چند لمحے تک گہرے سانس لے کر خود کو بدقت نارمل کرنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ وہ ایک پتھر تھا۔ لیکن اگر تمہیں کوئی کام تھا تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں؟''

''تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔'' وہ اسی میز کے کونے پہ بیٹھ گئی جہاں چند لمحے قبل وہ بیٹھا تھا۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کر سکتا تھا یا نہیں؟ اور ہارون صاحب کیسے کریں گے یہ' معلوم ہے تمہیں؟''

''وہ ہاشم کے دوست ہیں' کسی بھی طرح اسے راضی کر لیں گے اور.....''

''وہ اپنی بیٹی کو اس کے پاس بھیجیں گے تاکہ وہ اس سے جھوٹے وعدے کرے اور ہاشم کو راضی کرے۔''

زمر چونک کر کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں ڈھیروں استعجاب در آیا۔

''بے کار باتیں مت کرو فارس۔ کوئی اپنی بیٹی کو یوں استعمال نہیں کر سکتا۔''

''زمر ہر امیر آدمی جواہرات کی طرح نہیں ہوتا جو اولاد پہ جان چھڑکے۔ وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ اسے نہ اپنی بیٹی سے کوئی خاص لگاؤ ہے' نہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ محبت ضرور ہوگی کیونکہ وہ فطری چیز ہے لیکن وہ یہ سب آبدار کی خوشی کے لئے نہیں کر رہا۔''

''وہ یہ سب آبدار کے لئے ہی کر رہے ہیں۔'' وہ بے یقین تھی۔

''غلط.....'' فارس نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''وہ صرف کاردارز کی بربادی چاہتا ہے۔ دونوں کاروبار میں شراکت دار ہیں' ایک ڈوبے گا تو اس کی ساری دولت' شیئرز' تعلقات' سب دوسرا حاصل کر لے گا۔ وہ دل سے چاہتا ہے کہ ہاشم مقدمے میں الجھے.....اس کے لئے وہ تمہیں اور آبدار دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔ آبدار ہاشم کو راضی کرے گی' اور تم اپنی کشتیاں جلا کر اس مقدمے کے لئے اپنی جان لگا دو گی۔ سب سے زیادہ فائدہ اسی کو ہوگا۔'' وہ کتنی ہی دیر شل بیٹھی رہی، پھر چونکی۔

''اور آبدار کا کیا ہوگا؟'' زندگی میں پہلی دفعہ یہ نام لیتے ہوئے اس کی آواز میں پریشانی جھلکی تھی۔

''ہارون صاحب کو اس کی اتنی پرواہ ہوتی تو اس کو اس جنگ میں کیوں دھکیلتے؟ کس کو کال کر رہی ہو؟'' وہ جو تلخی سے کہہ رہا تھا' رک کر بولا۔ زمر نے بغیر فون پہ نمبر ملا کر اسے کان سے لگا چکی تھی۔ فارس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

''چوبیس گھنٹے کے اندر اندر آپ کی کال موصول ہوئی ہے' کیا ارادہ بدل گیا ہے آپ کا' زمر صاحبہ؟'' ہارون عبید کا نرم اور نپا تلا لہجہ کانوں سے ٹکرایا تھا۔

''مجھے اپنا ہیرا واپس چاہیے' میں اس ڈیل کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟''

''مجھے ڈر ہے فارس کو نہ پتہ چل جائے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ پلیز مجھے بلیک میل مت کریں اور اسے واپس کر دیں۔'' وہ منت کر رہی تھی۔ فارس نے گھور کر اسے دیکھا۔

''اب بہت دیر ہو چکی ہے مسز زمر۔''

''دیر کیسے ہوئی ہے؟ اب تک ہاشم سے بات تو نہیں ہوئی ہوگی آپ کی۔''

''میری بیٹی آپ کی وجہ سے اس سے بات کرنے گئی تھی' اور اب جبکہ اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لے ہی لیا ہے تو آپ پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔''

''آپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے..... کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟'' وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تھی۔ فارس اب سامنے صوفے کے کنارے جا بیٹھا تھا۔ ہارون اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر زمر نے ''آپ بیمار ہیں' سنا آپ نے؟ آپ..... بیمار ہیں!'' کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ وہ ایک دم ڈسٹرب نظر آنے لگی تھی۔

''اچھا پریشان مت ہو۔ آبدار کے ساتھ جو کیا ہے اس کے باپ نے کیا ہے۔'' وہ اب کے ذرا نرمی سے بولا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر مغموم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں مجھ پہ بہت غصہ آ رہا ہوگا' ہے نا؟''

''ساری عمر آتا رہا ہے' کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ لیکن خیر..... تم مجھے بتاؤ۔ تم کیا چاہتی ہو؟''

''تم سے نہیں ہوگا تو کیوں.....''

''زمر..... تم بتاؤ..... تم کیا چاہتی ہو!'' اس نے زور دے کر کہا۔ زمر چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میں چاہتی ہوں کہ ہاشم عدالت میں پیش ہو۔ وہ پوری ایمانداری سے یہ ٹرائل لڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر گواہ عدالت میں پیش ہو اور سچ بولے۔ سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ اس رات ڈاکٹر سارہ تھیں' مگر ڈاکٹر سارہ کتنے دن سے میرا فون نہیں اٹھا رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ گواہی دے دیں۔'' جذبات میں تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ تبھی دروازہ بجا۔ فارس اسی خاموشی سے اٹھا اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا' ہاتھ میں چند کاغذ تھے۔ اس نے فارس کے کندھے کے پیچھے سے اندر جھانکا۔ ''زمر..... یہ وہ ڈاکومنٹس ہیں جو میں نے آپ کو دکھانے تھے۔'' الجھا ہوا سا آگے بڑھنے لگا پھر رک کر پوچھا۔ ''اندر آ جاؤں۔''

''ہاں' تم اندر آ جاؤ' میری خیر ہے۔'' آخری الفاظ زیرِ لب بڑبڑا کر وہ خفا سا باہر نکل گیا۔ کچن کے دروازے پہ حنین اسی طرح کھڑی ناخن کتر رہی تھی۔ وہ ساتھ سے گزرنے لگا تو وہ بولی تھی۔

''سعدی بھائی اور زمر کی ٹیم کتنی بورنگ لگتی ہے نا!'' وہ اَن سنی کر کے آگے بڑھ گیا.....

(آج)

فارس غازی کو گہرے خیال سے..... گہری نیند بھرے سفر سے کورٹ رپورٹر کی بورڈ پہ چلتی انگلیوں کی ٹھک ٹھک نے جگایا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر زمر کی طرف دیکھنے لگا جس کی آواز کمرہء عدالت کی گھنی خاموشی کو چیر رہی تھی۔

''نوشیرواں کاردار نے قید کے ان آٹھ ماہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مل کر یورآنر نہ صرف سعدی یوسف کو محبوس رکھا بلکہ اس کو مختلف نوعیت کے ذہنی اور جسمانی ٹارچرز کا بھی نشانہ بنایا۔ اس سے اس کے پراجیکٹ کے اہم راز دباؤ اور تشدد کے ذریعے اگلوانے کی بھی کوشش کی' اس کو اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کا ڈراوا بھی دیا۔ 22 جنوری کی رات جب سعدی یوسف اپنی ذہانت اور بہادری کے بل پہ اس قید سے نکلا تو نوشیرواں کاردار اور ہاشم کاردار نے اس کی تصویر کے پوسٹرز بنوائے' اور سارے کولمبو میں پھیلا دیے۔ ایک خونی manhunt کا آغاز کیا گیا جس کا اختتام تب ہوا جب سعدی یوسف نے ملک واپس پہنچ کر اپنی ویڈیو ریلیز کی۔''

ہاشم سر جھکائے پیڈ پہ لکھ رہا تھا۔ ''غیر قانونی سفر' اور خاور کی تفصیلات گول۔''

''ان طویل اوپننگ آرگومنٹ کے بعد میری عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کاردار کو قتل' اقدامِ قتل' اغوا' حبسِ بے جا میں رکھنا' تشدد اور غیر قانونی انسانی اسمگلنگ کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جائے۔ پراسیکیوشن نوشیرواں کاردار کی پھانسی کا مطالبہ کرتی ہے۔''

ہاشم کے ساتھ بیٹھے نوشیرواں نے زخمی آنکھیں اٹھا کر زمر کو دیکھا' اور پھر تڑپ کر اپنے بھائی کو دیکھا جو محویت سے نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔

''دہشت گردی کی دفعات غائب۔ ہاشم کاردار کی نامزدگی غائب۔ کمزور استغاثہ۔'' تبصرہ لکھ کر اس نے پیڈ رکھ دیا اور پھر اسی توجہ سے زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ اب اپنے دلائل کا اختتام کر رہی تھی۔ کمرہء عدالت کی کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ میں موسمِ گرما کے اوائل کی سی تمازت محسوس ہوتی تھی۔ اگر تم کھڑکیوں کو دیکھتے جاؤ تو ان پہ پڑی گرد کی تہہ سرکتے لمحوں اوت بیت جانے والی شاموں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر کسی روز بارش کی بوندوں نے اسے دھو ڈالا اور پھر نئے سرے سے گرد پڑنے لگی۔ واپس کمرہء عدالت کی جانب رخ پھیرو تو پراسیکیوشن کی میز کے پیچھے زمر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ آج اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور گھنگریالی لٹیں نکل نکل کر کوٹ کی پشت پہ جھول رہی تھیں۔ وہ قلم لبوں میں دبائے' نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمائے ہوئے تھی۔ ساتھ بیٹھا سعدی آدھے آستین والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ گردن اٹھی ہوئی تھی اور بھوری آنکھوں میں امیدسی تھی۔ پیچھے.....ساری کرسیوں سے پیچھے. ...آخری قطار میں فارس ٹیک لگائے بیٹھا تھا' اور مسلسل منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

دفاع کی میز پہ نوشیرواں ڈیزائنر سوٹ ٹائی میں ملبوس پتھریلے تاثرات کے ساتھ براجمان تھا۔ پچھلی نشست پہ جواہرات اور احمر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ جواہرات مسلسل اپنے لاکٹ کو انگلی پہ لپیٹتے ہوئے پرسوچ نظریں چبوترے کے سامنے کھڑے ہاشم پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ہاشم کی اس جانب پشت تھی مگر آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

''یورآنر' مسز زمر کے ابتدائی دلائل اچھے لگے مجھے۔ جذباتی اور شاعرانہ۔ ان سے ہمیں یہ تاثر ملا کہ ایک معصوم شہزادہ.....بلکہ شہزادی ظالم دیو کی قید میں پھنس گئی تھی اور اب چونکہ شاہزادی واپس آ گئی ہے تو لازم ہے کہ ظالم دیو کو چوک میں لٹکا کر پھانسی دی جائے۔ اور اس ظالم دیو کا جرم کیا ہے یورآنر؟ صرف یہی کہ وہ امیر ہے۔''

جواہرات یاقوت اور ہیرے جڑے لاکٹ کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ کھول رہی تھی۔ شیرنی کی آنکھوں میں گہرے سایے لہرا رہے تھے۔ بادلوں جیسے سایے جن میں یادوں کے بہت سے قطرے لدے تھے۔ یکا یک وہ قطرے اندر ہی اندر ٹپکنے لگے اور اس جھلملاتے پانی کے پردے پہ عکس سے ابھرنے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

قصرِ کاردار کے لاؤنج میں اونچی کھڑکیوں کے اوپر اٹھے رومن بلائنڈز کے باعث تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ جواہرات پرل وائٹ قمیض میں ملبوس' بالوں کا نفیس جوڑا بنائے' کان میں ائیرنگ پہنتی ہوئی کمرے سے باہر نکل رہی تھی' ایسے کہ کہنی پہ پرس ٹنگا تھا' اور کان کو پکڑے

ہاتھ میں فون تھا' جب وہ ٹھٹک کر رکی۔

لاؤنج میں.....سامنے.....مچھلیوں کے ایکوریم کے سامنے آبدار کھڑی تھی۔ جھک کر وہ ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دیتی۔ مچھلیاں سرعت سے دائیں بائیں تیر رہی تھیں۔اس سے پہلے کہ جواہرات اس کو مخاطب کرتی' سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔آبدار سیدھی ہوئی اور اوپر دیکھا۔سر پہ سرخ ریشمی رومال باندھے'اس کی سبز آنکھوں میں گہرا کاجل ڈلا تھا۔یقیناً اوپر سے ہاشم اترتا ہوا آرہا تھا۔جواہرات نے کھڑکی کے شیشے میں اس کا عکس دیکھا اور الٹے قدموں مڑ گئی۔اپنے کمرے کا دروازہ چوکھٹ تک لے گئی مگر بند نہیں کیا۔ذرا سی درز سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتی تھی۔

آبدار نے مسکرا کر اسے اترتے دیکھا یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''تم نے مجھے بلوایا تھا۔کہو خیریت تھی؟'' وہ جبراً مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں' میں تمہاری باتوں پہ سوچتا رہا تھا۔بیٹھو۔'' وہ اشارہ کرتا' کوٹ کا بٹن کھولتا بڑے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھا۔آبدار پرلے کنارے پہ ٹک گئی۔

''پھر.....کیا سوچا تم نے؟'' گود میں مٹھیاں رکھ کر باہم ملائے وہ ان کی کپکپاہٹ چھپانا چاہ رہی تھی۔دل دھڑک رہا تھا۔بے چین نظریں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں جو سوچ میں ڈوبا تھا۔پھر اس نے آنکھیں اٹھائیں۔آبی سے نظریں ملیں۔

''تمہاری ساری باتیں درست تھیں۔جب تک اس کیس کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا' تم اس خاندان میں آ کر کبھی خوش نہیں رہو گی۔''

آبدار کے لب حقیقی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''یعنی کہ تم نے میری باتوں کو سنجیدہ لیا؟''

''ہاں' اور تم اپنی جگہ درست ہو۔ہم شادی نہیں کر سکتے' جب تک کہ میں اس سارے میں سے نہ نکل آؤں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

آبدار نے طمانیت بھری گہری سانس لی۔آنکھوں میں فاتحانہ چمک در آئی۔

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم اس کیس کو لڑو گے اور خود کو اور اپنے خاندان کو بے گناہ ثابت کرو گے!'' اس کے دل میں ڈھیروں اطمینان در آیا تھا۔

''نہیں ریڈ۔'' وہ قطعیت سے بولا تھا۔''نہ کوئی ٹرائل ہو گا' نہ میں اپنا دفاع کروں گا۔مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ہم شادی کے معاملے کو کچھ وقت کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں۔تب تک تم مزید سوچ لو۔اور اگر تم میرے خاندان اور اس کے تمام مسائل کے ساتھ سمجھوتہ کر لو تو ہم شادی کر لیں گے۔'' اس کا لہجہ اطمینان سے پُر تھا۔

آبدار کی مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا۔چند لمحے وہ شل سی بیٹھی رہی' پھر ایک دم اٹھی۔پرس دبوچ کر اٹھایا۔

''اگر تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ پبلک رائے کو بدلو تو ٹھیک ہے۔میری طرف سے اس شادی سے انکار ہے۔نہ اب۔نہ کبھی پھر.....ہمارے راستے جدا ہیں۔'' درشتی سے کہتی وہ باہر کی طرف بڑھی۔ہاشم اسی اطمینان سے آنکھیں اٹھا کر اسے بغور دیکھتا رہا۔

''شاید یہ صرف ایک بہانہ تھا۔شاید تمہیں شادی سے انکار کی کوئی اور وجہ مل نہیں رہی تھی۔یا شاید تمہارے بابا نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟

ہماری بربادی پہ سب سے زیادہ خوش وہی ہوں گے.....ہے نا۔'' وہ اب زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''جو چاہو سمجھو۔'' وہ تلخی سے کہتی باہر نکل گئی۔

وہ اپنی کار کے قریب پہنچی ہی تھی..... اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ..... غصے اور بے بسی کی حالت میں جب.....

''سوتم نے خود ہی انکار کر دیا۔'' وہ چونک کر مڑی۔ جواہرات سامنے سے چلتی آ رہی تھی کہ اس کی پشت پہ تیز سورج تھا۔ کرنیں اس کے اطراف سے نکل کر آبی کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں یوں کہ جواہرات سفید لباس کے باوجود دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آبی کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

''اب کیا مجھے وہ ویڈیو مل سکتی ہے؟''

''جس دن آپ کا بیٹا مکمل طور پہ میری جان چھوڑ دے گا' اس دن' ہاں۔'' وہ چبا چبا کر بولتی دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔ کرنیں جو اس کے اطراف سے تیروں کی طرح اس جانب لپک رہی تھیں۔ روشنی تیز روشنی..... اور جب وہ بجھی.....

(آج)

تو جواہرات کاردار نے خود کو عدالت کے کمرے میں بیٹھے پایا۔ اپنے عالمِ تنویم سے خود کو نکال کر' وہ سر جھٹکتی سامنے کھڑے ہاشم کو دیکھنے لگی۔ کمرے میں خاموشی تھی اور سب توجہ سے اس کو سن رہے تھے۔

''بس ظالم دیو کا جرم صرف اتنا ہے یور آنر کہ وہ امیر ہے۔ مسز زمر نے ان چند دنوں میں تقریباً تین سو دفعہ استعمال کیا ہے۔ درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔'' پھر رپورٹر کو ہدایت کرتے بولا۔ ''یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

اور رپورٹر نے بنا تاثر لئے ٹائپ کیا۔

''ہاشم کاردار' درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔ یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

''یور آنر یہ کہانی نئی نہیں ہے۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے چبوترے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ ''یہ کہانی' یہ مثالیں' یہ غریب کارڈ' یہ عرصے سے کھیلا جا رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت جگہوں پہ بہت سے ''امیر'' درندوں نے معصوم شہزادوں کو نگلا بھی ہے مگر اسی کارڈ کو بہت سی غریب لومڑیوں نے اپنے مفاد کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اس سارے منظر نامے میں یور آنر میرے موکل کا صرف ایک ہی قصور ہے' اور وہ یہ کہ وہ ایک رئیس خاندان میں پیدا ہوا۔ مسز زمر کی دلفریب شاعری کے برعکس' سعدی یوسف نہ ہی اتنا انسان دوست ہے' نہ ہی اتنا معصوم اور سادہ۔ وہ بلاشبہ ایک محنتی نوجوان ہے' مگر وہ ambitious بھی ہے۔'' چبوترے کے سامنے ٹہلتے ہوئے وہ اب چہرے کا رخ استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے سعدی کی طرف کیے کہہ رہا تھا۔ زمر اسی اطمینان سے ایک فائل پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی۔ جبکہ سعدی کی پرتپش نظریں ہاشم کے چہرے پہ یوں جمی تھیں گویا اندر تک اتر جائیں گی۔ کسی ایٹی کی طرح۔

پیچھے بینا فارس مطمئن لگتا تھا' البتہ اس کے ساتھ موجود حنین بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ڈھیروں زخم تھے اور وہ بار بار مٹھیاں بھینچتی تھی۔ پھر وہ فارس کی طرف جھکی۔ ''یہ اسی طرح میرے بھائی کا کردار عدالت میں مسخ کر دے گا' کوئی اس کو روکتا کیوں نہیں ہے۔''

''وہ جو کر رہا ہے قانونی طور پہ یہ اس کا حق ہے۔ عدالت میں بولنے والے تمام لوگوں میں سے صرف ایک شخص سچ بولنے کا حلف نہیں لیتا اور وہ وکیل ہوتا ہے۔''

''اور وکیل کو تو جھوٹ بولنے کا لائسنس ملا ہوتا ہے۔ واؤ۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر تھی۔

''زمر کے اپنے ابتدائی دلائل میں کتنا سچ تھا' کتنا جھوٹ' ہم دونوں واقف ہیں۔ عدالتوں میں یہی ہوتا ہے۔ ایک سچ کو ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ تم ان بیوقوفوں کو عدالت میں ایک دوسرے سے لڑنے دو۔'' اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔

''سعدی یوسف ایک انتہائی ذہین مگر ایک بہت ambitious لڑکا تھا یور آنر۔ evil genius۔ استغاثہ کی الف لیلوی

داستان سے ہٹ کر ہمیں اس کیس کی اصل حقیقت کو دیکھنا ہوگا اور اصل کہانی یہ ہے کہ سعدی یوسف کا گزشتہ آٹھ سال سے یعنی اس واقعے سے سات سال قبل سے میرے موکل کے گھر آنا جانا تھا۔ اس کو اس خاکسار نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے اس پہ کبھی اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے۔ اس کو اپنی ہر دعوت میں بلایا۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ان اچھے تعلقات کی مثال میرے اور سعدی کے فیس بک پہ لگی ہماری سینکڑوں تصاویر ہیں۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔'' وہ یوں ترچھا ہو کر کھڑا تھا کہ گاہے بگاہے جج صاحب پہ نظر ڈالتا پھر اسی سادگی اور اطمینان سے استغاثہ کی کرسیوں کو دیکھتا۔'' اپنی ambitious اور manipulative طبیعت سے مجبور' سعدی یوسف نے نوشیرواں کا ردار سے راہ و رسم بڑھانا چاہا' وہ ہم دونوں بھائیوں کی گڈ بکس میں رہنا چاہتا تھا۔ اور تو اور' اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ نوشیرواں کس یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہے تو اس نے بھی وہیں اپلائی کیا۔ برسوں تک وہ ساری دنیا کو یہ بتاتا رہا کہ وہ اسکالرشپ پہ پڑھ رہا ہے' مگر یہ صرف اس کی پاپولر اور ہر دل عزیز ہونے کی ایک اور کوشش تھی کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی فیس اس کے خاندان والے ہی دیتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں متاثر کن بننے کے لئے مدعی کس حد تک جا سکتا ہے۔''

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔ بہت برداشت چاہیے تھی اپنے ہر سچ کو اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے دیکھنے پر۔ صد شکر کہ قیامت کے روز اس بڑی عدالت میں یا تو فرشتوں' پتھروں' زمین اور انسان کے اپنے اعضاء جیسے گواہ ہوں گے' یا پھر ایک ہی منصفِ اعلیٰ۔ صد شکر کہ اس دن کوئی وکیل نہیں بولے گا۔ صد شکر کہ اس دن زبانیں بند ہوں گی۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جج صاحب عینک ناک پہ لگائے' بہت توجہ سے ہاشم کو سن رہے تھے۔ سیشن جج جناب عابد آغا صاحب ایک بے داغ اور شفاف ریکارڈ کے حامل تھے۔ رعب ایسا تھا کہ بالواسطہ رشوت دینے کی جرات کوئی نہ کرتا تھا۔ سابق گورنر کے صاحبزادے تھے' اور بھائی بیوروکریسی کے اہم افسران میں سے تھے۔ بلاواسطہ رشوتیں' مدد کی درخواستیں' اور دھمکیاں سب آتا تھا' مگر کہتے تھے کہ وہ بہت ہمت اور عزم سے ہر شے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور اس وقت استغاثہ اور دفاع کے وکیلوں کو اپنے اپنے گواہ اور ثبوت پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنا تھا۔

''سعدی یوسف نے نوشیرواں کا ردار سے یونیورسٹی کے دنوں میں دوستی کرنے اور اس سے فوائد اٹھانے کی بھرپور کوشش کی۔ نوشیرواں اس کے لئے ایک سونے کی مرغی تھا۔ ایک بیوقوف امیر زادہ۔ جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔'' (نوشیرواں کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور بے تاثر' ویران نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔) یور آنر لوگوں کو لگتا ہے کہ امیر آدمی کے مسئلے نہیں ہوتے۔ سو امیر آدمی کا استحصال کرتے جاؤ کیونکہ اس کا جرم ہے کہ وہ امیر ہے' وہ لوگوں کو لوٹ کر ان کا خون پی کر امیر بنا ہے۔ اس کو لوٹنا' مارنا' نقصان پہنچانا غریب کا حق ہے' غریب کا انتقام ہے مگر کیا واقعی امیر ولی عہد کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا؟ کیا واقعی نوشیرواں ایسا تھا؟'' کمرہ عدالت میں دیر خاموشی تھی۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ گویا سوال کا جواب مانگا ہو۔ پھر تمخی سے مسکرایا۔

''المیہ یہ ہے یور آنر کہ نوشیرواں ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو غریب کا خون چوس کر امیر ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر سعدی یوسف اپنے کمپلیکس سے باہر نکلتا تو شاید وہ سمجھ پاتا کہ نوشیرواں عدم تو جہی کا شکار تھا' اس کی دولت اس کے باپ اور بھائی نے برسوں کی اَن تھک محنت اور ایمانداری سے کمائی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے باپ سے وہ وقت اور توجہ نہ پا سکا جو مجھے ملا۔ وہ اندر سے بہت معصوم اور سادہ تھا۔ ہر ایک پہ یقین کر لینے والا۔ ہر ایک سے توجہ اور پیار چاہنے والا۔ اس کو سعدی کی دکھاوے کی دوستی نہیں چاہیے تھی۔ اس کو خلوص چاہیے تھا۔ امیر لڑکوں کے جانی دشمن بہت ہوتے ہیں۔ وہ سیکیورٹی کے بغیر نکل نہیں سکتے۔ وہ ہر جگہ جا نہیں سکتے۔ ان کو کچھ بھی کرنے سے پہلے اپنے عالی مقام خاندان کے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ایک مڈل کلاس لڑکے کی طرح نہ تھا جو جب دل چاہا لیڈز کی گلیوں میں نکل جاتا' کسی بار میں بیٹھ کر' کسی دوست کے ساتھ کچھ بھی کرتا۔ نوشیرواں کو لوگ بیچا کرتے تھے۔ وہ ایک سیاستدان کا بیٹا تھا۔ وہ ہر وقت مختلف paparazzis کی ہٹ

لِسٹ پہ ہوتا تھا۔ یہ دولت اس کے لئے ایک قید سے کم نہ تھی مگر سعدی یوسف کو وہ صرف سونے کے انڈے دینے والی مرغی لگتا تھا۔ اس کا شاندار گھر جہاں سعدی اکثر آتا تھا' جہاں کھانے پینے کی مکمل آزادی تھی' ان کی دوستی کو مضبوط کرنے کی وجہ تھا' مگر ایسا زیادہ دیر نہ چل سکا یور آنر۔ سعدی یوسف کی مطلبی اور مادیت پرست باتوں نے دھیرے دھیرے نوشیرواں کو اس سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔''

''میرا دل چاہتا ہے اس آدمی کے چہرے پہ تیزاب پھینک دوں۔'' حنہ نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی تو اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

فارس نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اس کے کندھے تھپکے۔

''اسے بولنے دو حنہ۔ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے' بلکہ وہ ساحر ہے۔ اسے اپنے جادو کے بولوں سے ہمارے ہر پیچ کو مات دینے دو۔ جب وہ تھک جائے گا تو ہم اسے دیں گے۔ شہہ مات۔! Checkmate'' ایک عزم کو دہرایا تو حنہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اس کے باجود نوشیرواں نے اس سے دوستی نہیں چھوڑی۔ اسے اپنے گھر آنے دیا۔ اسے اپنی دولت کو لوٹنے دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ سعدی یوسف کے لئے یہ کافی نہیں تھا یور آنر۔ وہ صرف مادی چیزوں پہ خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ پاپولر ہونے اور ہر دلعزیز بننے کا طالب بھی تھا۔ ہمیں یہاں پہ سعدی یوسف جیسے لڑکوں کی سائیکی سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسے یونیورسل فیورٹ بننا اچھا لگتا تھا ہر کوئی اس کی باتوں کی تعریف کرے' ہر کوئی دلچسپی سے اسے سنے۔ جب نوشیرواں کے رویے میں اس نے سرد مہری محسوس کی تو اس کی یہ نفسیاتی حس بار بار پھڑکنے لگی۔ خاکسار کے ساتھ غلط بیانی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' سو اس نے مسز جواہرات کاردار کو اپنی میٹھی باتوں کے دام میں لیا۔ (سعدی نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا اور لبوں کو بنا آواز نکالے گھمایا (واؤ)۔ جواہرات نے کوشش کی کہ وہ بالکل بھی اس وقت سعدی کو نہ دیکھے۔) ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹے کے لئے اِن سیکیور رہتی تھیں' اس نے ماں کو بیٹے کی شکایت لگانی شروع کی' وہ نشہ کرتا ہے' وہ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تاکہ مسز جواہرات نوشیرواں کو مجبور کریں کہ وہ صحیح لڑکے یعنی کہ ''ہمارے سعدی'' کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔ نوشیرواں ایور یج ذہانت کا لڑکا ضرور تھا' مگر گھامڑ نہیں تھا۔ اس نے سعدی کے ان جھوٹوں اور غلط بیانیوں پہ خود کو اس سے دور کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے مسلسل جواہرات کاردار کو بھڑکانے پہ دونوں میں تلخ کلامی بھی ہوئی اور یوں اس دوستی کا اختتام ہو گیا۔

ساحر اپنے مسحور کن انداز میں بول رہا تھا اور سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ تبھی دروازہ کھلا اور بنا چاپ کے دھیرے سے آبدار اندر داخل ہوئی' پھر اسی طرح خاموشی سے فارس اور حنین کے ساتھ آ بیٹھی۔ یوں کہ حنین دونوں کے درمیان میں تھی۔ چہرہ موڑ کر اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر فارس کو مخاطب کیا۔ ''ہیلو غازی!''

فارس نے بس سر کو اثبات میں خم دیا۔ چہرہ تک نہیں موڑا۔ درمیان میں بیٹھی حنین ایک دم خود میں عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

دلائل دیتے ہوئے ہاشم نے رخ حاضرین کی طرف پھیرا تو بس لمحے کے ہزارویں حصے کے لئے وہ چونکا۔ آبدار پہ نظریں جا رکی۔ مگر پھر اس نے بات جاری رکھی۔ گو کہ اس کی نگاہ بار بار اس طرف اٹھتی تھی۔ آبی سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی رہی۔ شناسائی' قرابت داری' رسمی مسکراہٹ' اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری تھیں۔ (حنین نے نظریں جھکا لیں۔ وہ آبدار کے لئے ہی مگر بار بار ادھر دیکھتا تو تھا' اور اس کا دیکھنا دل کو دکھی کر دیتا تھا۔ محبت رہے یا نہیں' یاد دیں تو آخری سانس تک رہتی ہیں۔)

اس کے دلی جذبات سے بے خبر آبدار سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی تھی۔ البتہ اس کی خوبصورت پیشانی پہ دو بل پڑے ہوئے تھے۔ ان دو بلوں کی تہہ میں جاؤ تو پرت در پرت داستانیں رقم تھیں۔ یکا یک وہ پرتیں عیاں ہوتی گئیں' اور سنہری پیشانی' سنہری روشنی میں بدلتی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

ہارون عبید کے آفس کاریڈور میں تیز سنہری بتیاں روشن تھیں۔ آبدار ماتھے پہ سلوٹیں لئے' تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ آفس کا دروازہ زور

سے کھولا۔ ہارون سیٹ پہ براجمان' سامنے بیٹھی دو خواتین سے محوِ گفتگو تھے۔ آبدار سرخ چہرے کے ساتھ اندر آئی' ہاتھ جھلا کر گویا تخلیہ کا اشارہ کیا۔۔ ہارون نے شدید ناپسندیدگی سے اسے دیکھا' پھر خواتین سے معذرت کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''یہ آخری دفعہ تھا بابا۔ آئندہ میں آپ کے ہاتھوں کبھی استعمال نہیں ہوں گی۔'' وہ دونوں تنہا رہ گئے تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تلخی سے بولی تھی۔ ہارون کے ابرو بھنچ گئے۔

''مسئلہ کیا ہے؟ یہ میرے اہم مہمان تھے۔ تم نے.....''

''ہاشم نہیں مانا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ کیس نہیں لڑے گا۔''

چند لمحے کے لئے ہارون کچھ بول نہ سکے۔

''سنا آپ نے بابا.... ہاشم کو نہیں منا سکی میں۔ کوئی ٹرائل نہیں ہوگا اب۔''

''مگر....'' وہ لاجواب ہو گئے تھے۔ ''تم نے اس کو سمجھانا تھا کہ تم اس کے پروپوزل پہ غور کرو گی' اور....''

''بابا.... میں کیا ہوں آپ کے لئے؟ ہاں؟ میں کیا صرف آپ کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کا ایک ہتھیار ہوں؟ اوزار؟ میری ماں کے ساتھ یہی کیا آپ نے۔ مجھے بھی انہی کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کے کٹورے بھیگ گئے تھے۔

''بیٹے' میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں یہ سب تمہارے لئے ہی کر رہا ہوں۔'' انہوں نے پینترا بدل کر نرمی سے کہنا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

''مجھے اب یقین نہیں آتا۔ گیس واٹ بابا' اب اگر ٹرائل ہوا بھی تو میں بھی اس میں جاؤں گی اور آپ سب کے خلاف گواہی دوں گی۔ عدالت مجھے بھی سمن کرے گی۔ میں سچ بولوں گی۔ سب کچھ بتا دوں گی۔ آپ لوگ اسی قابل ہیں۔ یہ سب ٹرائل کے لئے کر رہے تھے نا آپ تو میں.....''

''میں تمہارے لئے کر رہا تھا بچے۔ تم چاہتی تھی کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ دے۔ اس نے اسے چھوڑ بھی دیا۔ تم نے میرا کام نہیں کیا' مگر میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔'' وہ اس کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے' ساتھ میں جھک کر دراز بھی کھول رہے تھے۔ آبی کے آنسو پلکوں پہ ہی ٹھہر گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔

''بابا۔'' اس کا سانس رک گیا۔ ''کیا کیا ہے آپ نے؟ میں نے منع کیا تھا آپ کو' آپ ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔''

''اس نے اپنی مرضی سے یہ مجھے دی ہے' میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔'' سادگی سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک ڈبی اس کے سامنے رکھی۔ آبدار نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ ''میں نے آپ کو اس کے بارے میں اس لیے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ.....''

''یہ اب تمہاری ہے۔ جیسے بھی اسے استعمال کرو۔''

(آج)

کوئی کاغذ سا اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تو وہ گہرے خیال سے چونکی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھی تھی' اور ساتھ بیٹھی حنین اس کی طرف ایک کاغذ بڑھائے ہوئے تھی۔ آبدار کی نظریں فارس کی طرف اٹھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حنین اپنی گود میں دیکھ رہی تھی۔ آبی نے کاغذ تھاما۔ اس پہ تحریر تھا۔

''آپ کا دل بیمار ہے' میں جانتی ہوں۔ میں اس سب سے گزر چکی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس مرض کی دوا ہے۔ اگر آپ نے اپنا علاج نہیں کیا تو بہت نقصان اٹھائیں گی۔''

ساتھ میں قلم بھی تھا۔ آبدار کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔ اس نے سرعت سے قلم تھاما اور لکھا۔ ''نہ میں بیمار ہوں' نہ مجھے کسی علاج کی ضرورت ہے۔ جس کیفیت کا میں شکار ہوں' وہ دنیا کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ میں کیوں نکلوں سے اس سے؟ میں اسی میں خوش ہوں۔''

حنین نے جب کاغذ واپس تھاما تو وہ تحریر پڑھ کر اس کا دل دور اندر ڈوب گیا۔

اس نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ ہر بیمار علاج کا سن کر شفایاب ہونے دوڑا چلا آئے گا۔ عشق تو وہ مرض ہے جس کے مریض کو یہ معاشرہ' اس کا میڈیا' اس کا لٹریچر میٹھی نیند سلا کر برسوں تھپکتے رہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں رواج میں آجائیں ان کا غلط ہونا ذہنوں سے نکل جاتا ہے۔ اس نے کیسے سوچ لیا کہ ہر مریضِ عشق اپنی بیماری سے واقف بھی ہوتا ہے؟ کیا اسے بھول گیا تھا کہ ایسے مریضوں کے پاس ہر وقت خود کو دینے کے لئے ڈھیروں من گھڑت دلیلیں اور بہانے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی توانائی خود کو جسٹفائی کرنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں' اور زندگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قیس ہو یا رانجھا' یہ سب مجنوں بھی تھے اور فارغ بھی۔

''یور آنر..... سعدی یوسف سے دھیرے دھیرے میرے موکل کا خاندان برگشتہ ہوتا گیا۔'' ساحر کے جادوئی بول جاری تھے۔ وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا' جج کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ ''قریباً ڈیڑھ سال تک سعدی یوسف کے گھرانے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نوشیرواں سے میرے باپ اور ماں کو بدظن کرنے کے لئے ایک رات یہ اچانک سے ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا کہ نوشیرواں دو دن سے رابطے میں نہیں ہے' یقیناً وہ اغوا ہو چکا ہے۔ نوشیرواں ساؤتھ کوریا میں تھا اور دو دن تک کسی سے کوئی رابطہ اس نے نہیں رکھا تھا تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سعدی یوسف نے میرے باپ سے کہا' بلکہ ان کو ایک فیس بک میسیج بھی دکھایا جس میں لکھا تھا کہ شیر و اغوا ہو چکا ہے اور تاوان کی رقم اس اکاؤنٹ نمبر تک پہنچا دیں۔ تب سعدی یوسف ماشاءاللہ اتنا محتاط اور شاطر نہیں ہوا تھا۔ اس کی بات پہ وقتی طور پہ یقین کرنے کے باوجود میں نے جانچ پڑتال کروائی تو معلوم ہوا یور آنر کہ شیر و کو سعدی نے یہ پرینک کھیلنے کو کہا تھا۔ رقم کا تو ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ جب نوشیرواں کو علم ہوا تو وہ فوراً ملک واپس آ گیا۔ اس کو سامنے دیکھ کر شرمندگی سے بچنے کے لئے سعدی نے الزام لگایا کہ یقیناً وہ خود روپوش ہو کر خود ہی اپنے آپ کو اغوا کرنے کا ڈرامہ کر کے باپ سے رقم بٹورنا چاہتا ہے۔ ہم نے اس کا یقین نہیں کیا' اور اس کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اکاؤنٹ نمبر بھی اسی کا تھا' اور یہی نہیں یور آنر' موقع کا فائدہ اٹھا کر اس رات جب میں لاؤنج میں بیٹھا تھا تو یہ میرے کمرے میں گیا' میرا لاکر کھولا اور اندر سے ایک خطیر رقم نکال لی۔ میرے لاکر کا کوڈ میری ڈیٹ آف برتھ ہے' اس کے لئے گیس کرنا آسان تھا۔ اس واقعے کے بعد میرا دل اس سے بہت برا ہوا۔ اور میں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا۔ جب کاردارز سے کچھ نہ ملا تو یہ میری سابقہ بیوی شہرین کاردار کے پاس گیا' اور اسے مختلف حیلوں بہانوں سے بلیک میل کرتا رہا اور رقم بٹورتا رہا۔''

''کیا میں تالیاں بجاؤں؟'' زمر پیچھے سے اونچا سا بڑبڑائی تھی۔ جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ احمر سر جھکائے گردن کھجانے لگا اور سعدی.... وہ بس ہاشم کو دیکھتا رہا۔ اب اسے گویا ہاشم پہ افسوس ہو رہا تھا۔

''اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں ہے' سو وہ مدعی کا کردار اتنا مسخ کر دے گا کہ اگر نوشیرواں پہ جرم ثابت ہو بھی جائے تو جج کو لگے' سعدی جیسے لڑکے کو مار کر اس نے اچھا ہی کیا تھا۔ قتل کے کیس سے بچ نکلنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ مقتول یا زخمی کا کردار مسخ کر دو۔'' زمر نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کی پھر سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔ وہ مسلسل بائیں انگوٹھے سے تیسری انگلی میں پہنی بڑے سے نگینے کی خوبصورت انگوٹھی اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اس میں جڑا نگینہ دور سے نیلا ہیرا لگتا تھا۔ اس کی روشنی مدھم' مگر شفاف تھی۔ ایسی شفاف کہ گویا سیاہ رات میں چمکتے تارے ہوں' جو ٹوٹ کر جڑے ہوں' اور ان کی دودھیا روشنی زندگی

کی ساری سچائیوں کو منعکس کرتی جائے.....

(دو ماہ پہلے)

اس صبح فوڈ لی ایور آفٹر کی بالائی منزل کی دیوار گیر کھڑکیوں سے بھی تیز روشنیاں اندر آ رہی تھیں۔ زمر اداسی سے بیٹھی' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی' شیشوں کے پار سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ فائلز سامنے بکھری پڑی تھیں' اور وہ ان سے لاتعلق لگتی تھی۔ یکا یک وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ نیچے پارکنگ میں اس نے کار سے اسے نکلتے دیکھا تھا۔ سرخ رومال والی لڑکی کو۔ زمر تیزی سے فائلز اٹھا کر نیچے لپکی۔

جس وقت آبی نے ریسٹورانٹ کا دروازہ کھولا' زمر کچن کے دروازے کے قریب کرسی پہ بیٹھی محویت سے کتاب سے نوٹس بنانے میں مگن نظر آتی تھی۔ آبدار کی نظریں اس کی ناک میں پہنی سونے کی نتھ پہ اٹھ گئیں۔ ایک ہلکی سی مسکان اس کے لبوں پہ ابھری۔ پھر وہ زمر کو نظر انداز کیے' کاؤنٹر تک آئی۔ وہاں گاہکوں کی طرف پشت کیے سعدی کھڑا رجسٹر کھول کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پرانی زندگی میں دوبارہ پرانے کام کرنے کے باوجود اب پرانے سعدی جیسا نہیں لگتا تھا۔

''کہو پھر' تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟'' وہ مسکرا کر بولی تو سعدی نے چونک کر گردن موڑی۔ آبدار کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

''تم؟ ادھر؟'' پھر آس پاس دیکھا۔ زمر کام میں منہمک نظر آتی تھی۔ گاہک آگے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے مصروف تھے۔

''ویلکم ہوم۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کر۔ سنا ہے کل تمہارا انٹرویو آ رہا ہے۔ انٹرویو میں تو کہو گے نہیں' مگر مجھے سامنے دیکھ کر شکریے کا ایک بول کہہ ہی سکتے ہو۔ آخر میں نہ ہوتی تو تم گھر کیسے آتے؟'' تفاخر سے مسکرا کر وہ بولی تھی۔

''بہت شکریہ۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر واپس گھوم گیا۔ آبی کے ابرو خفگی سے بھنچے۔

''سعدی یوسف خان' میرا ادھار ہے تم پہ۔''

وہ پھر اچنبھے سے واپس مڑا۔ ''کیا؟''

''تمہارا انٹرویو لینا تھا میں نے۔ اپنا کام تو نکلوا لیا تم نے' میرے کام کا کیا ہوگا؟'' اس نے یاد دلایا۔

''میرے پاس بتانے کو کوئی کہانی نہیں ہے۔'' مگر آبدار نے پرس سے کارڈ نکال کر اس کی شرٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

''میں اپنے کلینک میں تمہارا انتظار کروں گی۔ تمہاری نیند کی حالت کی مسافت کا قصہ سننا ہے میں نے۔'' اداسی سے مسکرا کر وہ جنید کی طرف گھومی۔ ''فارس کہاں ہیں؟'' سعدی سر جھٹک کر واپس کام کرنے لگا۔ جنید نے کچن کا بتایا تو وہ وہیں چلی گئی۔ زمر کی کرسی کے ساتھ سے گزری۔ نہ نظر ملائی نہ رخ پھیرا۔ بس اندر چلی گئی۔

زمر کے لکھتے ہوئے ہاتھ سست پڑ گئے۔ چہرے پہ بے بسی در آئی۔ کوفت اور غصہ۔ اس نے زور سے قلم بند کیا۔ اور ایک عزم سے اٹھی۔ کچن سے ورکرز باہر آ رہے تھے۔ فارس نے شاید ان کو نکالا تھا۔ وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی' وہ دونوں دوسری جانب تھے۔ درمیان میں اونچے ریکس تھے۔ وہیں رک گئی۔ اندھیر ریک کی اوٹ میں۔

''جی آبدار کہیے۔ آپ کیوں ملنا چاہتی تھیں۔'' وہ دونوں برنر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ باربی کیو کا دھواں اور اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ فارس گرمی کے باعث پوری آستینوں کو موڑے' دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سادگی سے پُر تھا۔ نہ کوئی کوفت' نہ شکوہ۔ وہ جیسے اسے سننا چاہتا تھا۔ زمر کا دل برا ہوا۔ (مجھے نہیں بتایا کہ اس کو ملنے کے لئے بلا رہا ہے۔ ہونہہ۔)

''بابا نے ایک کام کہا تھا مجھے۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے مسکرا کر رسان سے بولی تھی۔ ''کہ ہاشم کو مناؤں' وہ کیس کے لئے راضی ہو جائے۔''

''کس کیس کے لئے؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ زمر کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اس پہ بھروسہ تھا مگر پھر بھی۔ وہ سب بتا چکی تھی

پھر بھی۔

''سعدی یوسف بنام نوشیرواں کاردرا۔ واٹ ایور! اور میں نے اپنے آپ کو بہت خطرے میں ڈال کر ہاشم سے کہا کہ میں اس سے شادی کرلوں گی اگر وہ خود کو بے گناہ ثابت کردے عدالت میں اور اس گند سے ہمیشہ کے لئے نکل آئے۔ آپ کے لئے...آپ کے خاندان کے لئے میں نے یہ رسک مول لیا۔''

''ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ اپنے بابا کے کہنے پہ یہ کررہی تھیں۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ آبی لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

''انہوں نے کہا تھا' مگر کیا تو میں نے آپ کے لئے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ آپ نہ کرتیں۔ خیر تھی۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ ''میں تو ویسے ہی عدالت وغیرہ کے چکر کے خلاف ہوں۔ یونہی آپ نے اپنا وقت ضائع کیا۔''

آبدار پھر سے لاجواب ہوئی۔ ''بہرحال وہ نہیں مانا۔''

زمر نے چونک کر سر اٹھایا اور ریکس کے پار' دور کھڑے ان دونوں کو دیکھا۔ اس کے دل میں بے پناہ مایوسی اتر آئی۔ یعنی ہاشم نہیں مانا؟ وہ اس کیس کو لڑکا تا جائے گا؟

''اچھی بات ہے۔ ملک وقوم کا بہت سا پیسہ بچ گیا۔ یہی بتانے آئی تھیں آپ؟'' فارس غازی پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ آبدار نے گہری سانس لی۔

''فارس.... یہ بات زمر نے کہی تھی بابا سے۔''

وہ چونکا۔ ''کیا بات؟''

آبدار کی رکی سانس بحال ہوئی۔ ہمت بڑھی۔

''یہی کہ اگر میں راضی کرلوں ہاشم کو تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گی۔ میرے لئے۔''

آخری دو الفاظ نے یکدم چھناکے سے جیسے بہت سا بھرم اور لحاظ توڑ دیا تھا۔ فارس غازی لاجواب ہوگیا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اپنے منہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ زمر نے بے اختیار ریک کو تھاما۔ بہت کچھ اپنی پہنچ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میرے بابا اور زمر کی ڈیل ہوئی تھی۔ آپ کے اوپر۔ اور زمر نے کچھ گروی بھی رکھوایا تھا۔ مجھے دو روز پہلے پتہ چلا تو میں فوراً یہ واپس لے آئی۔ بابا کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پرس سے اس نے سیاہ مخملیں ڈبی نکالی اور فارس کی طرف بڑھائی۔ فارس سنجیدگی سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس رخ پہ کھڑا تھا کہ زمر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا در آیا تھا۔ اور اس کی ان آنکھوں کو دیکھ کر زمر کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں جانا چاہتی تھی' یہ ڈبی اس لڑکی کے ہاتھ سے چھیننا چاہتی تھی' مگر قدموں میں جان ہی نہ رہی تھی۔

''آپ یہ زمر کو واپس دے دیں۔ یہ ان کی ہے۔ انہی کی رہنی چاہیے۔''

اس نے فارس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے' بنا پلک جھپکے' ڈبی بڑھا کر کہا تھا۔ فارس نے آہستہ سے ڈبی اس کے ہاتھ سے اٹھائی۔ پھر کھولی۔ اندر رکھا ہیرا زمانوں کی داستانیں خود میں سموئے جگمگا رہا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے وہ ہیرا نکال کر دیکھا۔ بدلتی روشنی میں وہ مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

''آپ کو برا تو لگا ہوگا۔ مجھے بھی لگا۔ معذرت کے ساتھ مگر مسز زمر کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ معصومیت سے افسوس کررہی تھی۔

''اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ دو انگلیوں میں لونگ پکڑے دھیما سا بولا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو دکھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے شاید۔ یا شاید.....'' وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں

جمائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید.....مسز زمر نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ آپ برا محسوس نہ کریں۔ ہر شخص میں قربانی دینے کا جذبہ نہیں ہوتا۔ وہ.....آپ کے لئے.....وہ سب کبھی نہیں کریں گی جو قربانی دینے والے کرتے ہیں۔''

اندھیرے ریک کے اوٹ میں کھڑی زمر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''نہیں میرا دل نہیں دُکھا۔'' اس نے گہری سانس لے کر آبدار کو دیکھا۔ آبی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ زمر نے بے اختیار ریک زور سے تھاما۔

''اس نے آپ کا تحفہ یوں کسی کو دے دیا' آپ کا دل نہیں دکھا۔''

''یہ تو ایک چیز ہے۔ چیزوں کا کیا ہے؟ آتی جاتی رہتی ہیں۔'' وہ دو انگلیوں میں مسل کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں یازمر چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتے۔'' یہ کہنے کے ساتھ وہ دائیں جانب گھوما' برنر کا بٹن گھمایا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ تو اس نے ہیرے کی لونگ آگ میں ڈال دی۔ آبدار کا منہ کھل گیا تھا۔

''یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ تو آپ کو بہت عزیز تھی۔ آپ نے خود مجھے بتایا تھا' جب ہم کولمبو جا رہے تھے۔'' بے اختیار منہ سے پھسلا۔

''یہ تو ایک پتھر ہے۔ اور مجھے یہ عزیز نہیں ہے۔ میں اسے پہلے بھی ایک دفعہ پھینک چکا ہوں۔ مجھے وہ عزیز ہے جس کو میں نے یہ دیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا' الفاظ میں گویا کاٹ سی تھی۔ آبدار کے گال سرخ ہوئے۔ آنکھوں میں برہمی ابھری۔ حیرت بھری برہمی۔

''بات چیز کی نہیں ہے۔ اس نے ''آپ'' کو تین دن تک گروی رکھا ہے۔''

''اس نے مجھے چار سال تک جیل میں بھی رکھا تھا۔ میں اس کو ہزار دفعہ معاف کر سکتا ہوں۔''

کچن میں کوئلوں کے دہکنے کی بو زور سے محسوس ہوئی تھی۔

''آبدار آپ کو اگر لگتا ہے کہ ایک پتھر کے پیچھے ہم ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو آپ ہم دونوں کو نہیں جانتیں۔ ہم نے آگ اور خون کا دریا ایک ساتھ پار کیا ہے۔ ہم اچھے اور برے وقت کے ساتھی ہیں۔ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتی۔''

زمر سے مزید سنا نہیں گیا۔ شدتِ ضبط سے اس نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل جانے کو بے تاب تھے مگر وہ ان کو روکے ہوئے تھی۔

آبدار نے آنکھیں جھکا کر اپنی پٹی شدہ کلائی کو دیکھا' پھر شعلہ بار نگاہیں اس تک اٹھائیں۔ ''وہ تمہارے لئے.....یہ کبھی نہیں کرے گی۔''

طرزِ تخاطب بدلا' جذبات بدلے۔ انداز بدلا۔ وہ کہہ کر رکی نہیں۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے دیکھا۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ بس سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ آنکھیں ذرا بھیگی ہوئی تھیں۔ آبدار پیر پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ اب برنر کی طرف گھوم چکا تھا۔ بھڑکتے شعلے میں وہ جلتی لونگ کو دیکھ رہا تھا جس کے سونے کی تار پگھل پگھل رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نرمی سے اس کا بازو تھاما۔ وہ چونک کر مڑا۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فوراً دروازے کو دیکھا۔

''میں سمجھا تم اوپر ہو۔ تم کب آئیں۔'' برنر تیزی سے بند کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ واقعی اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

''جب تم اسے کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔'' فارس نے گرم چولہے سے ننھا ہیرا اٹھانا چاہا' مگر تیز تپش لگی تو جھٹکے سے ہاتھ واپس کھینچا اور انگلی ہونٹوں سے لگائی۔ پھر چونک کر اسے دیکھا۔

''ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔''

''تم نے کہا تھا۔ میں نے سنا ہے۔ میں نے صرف یہی سنا ہے۔''

''اپنے کانوں کا علاج کرواؤ۔'' وہ خفگی سے بازو چھڑا کر اب کپڑے سے لونگ چولہے سے اتار رہا تھا۔

''میں نے خود سنا ہے۔ تم بار بار یہی الفاظ دہرا رہے تھے۔ مجھے ہر لفظ ایسا ہی لگ رہا تھا۔'' آنسو اب کے اس کی آنکھوں کو بھگونے لگے تھے۔ ''میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی۔ میں بہت بری ہوں فارس۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ ابھی تک خفا تھا۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''اس کا کیا کرو گے اب؟''

''تم نے میرا تحفہ پھینک دیا' میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے کالک زدہ ہیرا کپڑے میں اٹھا کر ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اسے یہ کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

''تم مجھ سے کبھی خفا تھے ہی نہیں۔ موقع ملنے پہ تم نے خود بھی اسے پھینک دیا۔ تم نے اچھا کیا فارس۔ ہمارے گھر والے' ہمارے ملازم' آبدار' یہ سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے۔ صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ یہ ہمارے راستے کا وہ پتھر تھا جو ہر خوبصورت لمحے کے آخر میں ہمارے پاؤں میں آ کر چبھتا تھا۔ یہ ایک اچھا تحفہ نہیں تھا۔ اس میں دھوکہ تھا۔ دنیا سے چھپا کر کچھ کرنے کا عنصر تھا۔ یہ ہم دونوں کے لئے ڈھیروں شرمندگی کا باعث تھا۔ تم نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔ میں نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔'' وہ ڈسٹ بن میں گرے ہیرے کو دیکھ کر بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوئیں۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

''ٹرائل نہیں ہوگا۔'' وہ لونگ کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ذکر کبھی بھی ندامت اور عجیب سے اجنبی پن سے خالی نہیں ہونا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔ اور میں کوشش کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔'' وہ واقعی تھکی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ ''لیکن میں پھر سے کسی ایسے شخص کو ڈھونڈوں گی جو ہاشم کو منا سکے۔ اس کے لئے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''چلو... مل کر سوچتے ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''مل کر کیسے؟''

''دو تین دن کے لئے کسی لمبی مسافت پہ نکل جاتے ہیں۔ اس سارے شور ہنگامے سے دور۔ ان مسئلوں' تھانے کچہریوں اور ان لوگوں سے دور۔ تم تھک گئی ہو۔ کچھ دن آرام کرو گی تو دماغ سے ساری آلودگی چھٹ جائے گی۔''

''جو تم کہو۔'' وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔

''مگر یاد رکھنا' میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''تمہاری معافی کی پرواہ ہے کسے؟ تم تو شکر کیا کرو کہ میں نے تمہیں معاف کر کے تم سے شادی کر لی ورنہ تم جیسے دو نمبر آدمی کو میں ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔''

''مجھے ایک کورٹ رپورٹ کو ساتھ لے کر گھومنا چاہیے جو تمہاری ہر بات ساتھ ساتھ لکھ کر ریکارڈ کرتا جائے' تم وکیلوں کا کیا بھروسہ جب چاہو مکر جاتے ہو۔'' وہ جل کر بولا تھا۔ وہ جواب میں چمک کر کچھ کہہ رہی تھی مگر آوازیں مدھم ہو رہی تھیں.... گویا دور کسی کنویں سے آ رہی ہوں.... ڈسٹ بن میں گری لونگ کا ہیرا کالک کے باجود مدھم سا جگمگا رہا تھا.....

(آج)

''21 مئی سے چند دن پیچھے آئیں یور آنر۔'' ہاشم کی آواز نے اسے عالمِ تنویم (گہری سوچ' نیند' hypnosis) سے نکالا۔ وہ

چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ کمرہ عدالت میں سب کے سامنے کھڑا ہاشم پورے اعتماد سے جج کو بتا رہا تھا۔

''یور آنر سونیا کا ردار کی سالگرہ کے موقع پہ سعدی یوسف کو کاردار خاندان نے مدعو نہیں کیا۔ ہمارے تعلقات اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے' لیکن جب کورٹ میں مجھے مسز زمر ملیں (زمر نے ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر اس کی سچائی کو سلام کیا) تو ان کی درخواست پہ میں نے سعدی یوسف اور زمر یوسف کے لئے کارڈ بھجوا دیے۔ ہم نے سوچا یور آنر کہ شاید اب یہ نوجوان توبہ تائب ہو چکا ہو۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ عین پارٹی کے وقت' جب میں باہر مہمانوں میں تھا' سعدی یوسف میرے کمرے میں گیا' اور میرا لاکر کھولنا چاہا۔ پاسورڈ بدل چکا تھا' وہ اسے تو نہ کھول سکا مگر میرے دراز میں رکھا میری بیٹی کا نیکلیس جو اسے میری ماں نے سالگرہ کے تحفے کے طور پہ دیا تھا اور جو اس نے میرے دراز میں ڈال دیا تھا' بچوں کی لاپرواہی یونو' سعدی یوسف نے وہ نکال لیا اور یور آنر اس کے میرے کمرے سے چوروں کی طرح نکلنے کی پوری فوٹیج موجود ہے ہمارے پاس۔ جب وہ باہر آیا تو نوشیرواں نے اس سے باز پرس کی' جس پہ دونوں کی تلخ کلامی ہوئی۔ سعدی کو ایک دم جانے کی جلدی ہو گئی۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ایگزٹ تک آیا تو گارڈ نے ہیکنر کے الارم کے باعث اس کو روک کر تلاشی لینی چاہی جس پہ زمر یوسف نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ میں اس وقت صورتحال سے ناواقف تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں نے گارڈز کو جھڑکا اور سعدی کو جانے دیا۔ چند دن بعد جب ہم ایک شادی کی تقریب میں اس سے ملے تو میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نیکلیس واپس کر دے۔ وہ میری بیٹی کو بہت عزیز ہے۔ مگر سعدی یوسف نے نہ صرف صاف انکار کیا بلکہ مجھے بھی بے عزت کیا۔ اس دن کے بعد میں نے سعدی یوسف کی شکل صرف اخبارات اور ٹی وی پہ دیکھی۔ اگلے آٹھ نو ماہ تک ہم نے اس کو نہ دیکھا' نہ اس سے ملے۔ یہ فرعون کے دربار والی کہانی مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ من گھڑت ہے۔ سعدی یوسف 21 مئی کو ہمارے آفس نہیں آیا تھا۔ یور آنر ہماری بلڈنگ کی لاگ بک' انٹری ڈیٹا' سی سی ٹی وی فوٹیج' سب ہم عدالت میں جمع کرا چکے ہیں۔ استغاثہ کے پاس ایک بھی گواہ یا ثبوت نہیں ہے جو ثابت کرے کہ ہم نے اس روز سعدی سے ملاقات کی تھی یا شیرواور سعدی کا کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ یور آنر ہم نے تو اتنا عرصہ صرف یوسفز کی مدد کی' ہر مشکل میں ان کے ساتھ کھڑے رہے' فارس غازی کو جیل سے نکلوانے میں کتنا ساتھ دیا ان کا' یہ جانتے ہیں (''جی بالکل۔ بجا فرمایا۔'' گال پہ ہتھیلی جمائے بے زاری سے سنتے ہوئے زمر بولی تھی) یور آنر ہمارے لئے ان کا ایک دم ہمارے خلاف اٹھ آنا شدید دکھ اور صدمے کا باعث ہے۔ فارس غازی نے ہماری انیکسی ہمیں ہی فروخت کی مارکیٹ سے تین گنا زیادہ قیمت پر۔ شاید وہ رقم بھی کافی نہیں تھی' جواب یہ ایک ایسا کیس کر رہے ہیں جس کے درمیان میں ان کو لگتا ہے ہم لوگ ان کو منہ بند کرنے کے لئے ایک خطیر رقم دیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا یور آنر۔ نوشیرواں کا ردار ایک معصوم اور بے گناہ لڑکا ہے' اس کی عزت' اس کی نیک نامی' اس کی کریڈیبلٹی ہر شے کو اس الزام نے ٹھیس پہنچائی ہے۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کا ردار کو نہ صرف باعزت بری کیا جائے بلکہ سعدی یوسف کی ملک دشمن سرگرمیوں کا بھی نوٹس لیا جائے۔ یہ آٹھ ماہ کہاں تھا اور کون سے جرائم پہ پردہ ڈالنے کے لئے الزام ہمارے سر تھوپ رہا ہے' اس سب کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اور یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرا خاندان' میرے دوست' میرا کاروبار' ہماری ساکھ' ہمارے رشتے' ہر چیز اور ہر شخص کو اس بے بنیاد الزام نے شدید دھچکا لگایا ہے۔ ہمیں ہمارے امیر ہونے کی' برسوں کی محنت کے بعد حلال رزق سے یہ ایمپائر کھڑی کرنے کی' اپنا پیٹ کاٹ کر خون پسینہ اس کمپنی کے لئے لگا کر اس کو اس مقام تک پہنچنے کی سزا دی جا رہی ہے یور آنر۔ میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ تمام گواہوں اور ثبوتوں کو اچھی طرح پرکھ کر انصاف کے عین تقاضے پورے کر کے فیصلہ سنائے اور عدالت جو بھی فیصلہ سنائے گی ہمیں وہ قبول ہوگا۔ تھینک یو یور آنر!''

سر کو خم دے کر وہ واپس اپنی کرسی تک آیا تھا۔ جواہرات اب مطمئن سی مسکرا رہی تھی اور زمر' سعدی' حنین ہاشم کو بھوکے شیروں والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایسے میں صرف نوشیرواں تھا جس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں' اور وہ ایک نقطے پہ پتلیاں ساکت کیے' بنا پلک جھپکے بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ جج صاحب کچھ کہہ رہے تھے مگر نوشیرواں کا دماغ اس کی نگاہوں کی طرح ایک ہی نقطے پہ آ کر جم گیا تھا گویا برف کا کوئی

تو وہ ہو جس کی تہہ در تہہ برف میں یادیں اور قصے ثبت ہو کر امر ہو گئے ہوں.....ٹھنڈے.....یخ.....

(دو ماہ پہلے)

برف کی موٹی موٹی ڈلیاں مشروب کے گلاس کی سطح پہ تیر رہی تھیں جب بارٹینڈر نے کاؤنٹر پہ وہ گلاس اس کی جانب دھکیلا۔ اونچے اسٹول پہ بیٹھے شیرو نے اسے اپنی طرف کیا' اور اندر ذرا سا اسٹرا ہلایا۔ ساتھ ہی وہ موبائل چیک کر رہا تھا۔

''تمہاری اینکل اسٹریپ کہاں ہے شیرو؟'' دونو جوان وہیں قریب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے اونچی سی آواز کسی۔ دوسرا ہنسا۔ (امریکہ میں اس طرح اگر کسی کو ضمانت پہ رہا کیا جائے اور ہاؤس اریسٹ کر دیا جائے تو اس کے ٹخنے پہ ایک پٹا باندھا جاتا ہے جو اس کی پوزیشن کو مانیٹر کرتا رہتا ہے۔) نوشیرواں نے چہرہ اٹھا کر تندہی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تمہارے باپ کو جب نیب والے پکڑ کر لے گئے تھے' تو میری اسٹریپ ادھار میں ساتھ لے گئے تھے۔'' دوسرا نوجوان پھر سے ہنسا۔ مگر پہلے نے ابرو اچکائے۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ جیل جانا' عدالتوں سے گزرنا' یہ تو شان کی باتیں ہوتی ہیں۔'' آگے بڑھ کر اس نے شیرو کا کندھا زور سے تھپکا۔ نوشیرواں نے (ہونہہ) کندھا جھٹکا اور موبائل کی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا.....

اور پھر یہ تبھی تھا جب سارے میں ایک شناسا سی آواز گونجنے لگی۔ کسی ڈراؤنے خواب کی سی کیفیت میں اس نے سر اٹھایا۔ کسی نے لاؤنج کی دیوار پہ لگی وہ پورے انسان کے سائز کی ایل ای ڈی کی آواز تیز کر دی تھی۔ مدھم بتیوں کے باعث سارے میں نیم اندھیرا سا تھا اور اسکرین کسی سینیما کا ماحول پیش کر رہی تھی۔ نوشیرواں کی نگاہیں وہاں جا کر ٹھہریں تو واپس پلٹنا بھول گئیں۔

معروف اینکر کے سامنے صوفے پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا' وہ ویران مگر سنجیدہ چہرے والا لڑکا.....ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں وہ کتھا بیان کر رہا تھا۔ ''میں اسے وہاں اس زیرِ تعمیر گھر میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔''

''اور پھر اس نے آپ کو گولی ماری۔'' آگے کو ہو کر بیٹھا اینکر تاسف اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ سلور گرے ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی کے بال ذرا بڑے ہو گئے تھے۔ گھنگریالے بل اب نظر آنے لگے تھے۔ ان کو جیل لگا کر اس نے پیچھے کو جما رکھا تھا۔ بھوری آنکھوں میں یہ سنتے ہی گہرا درد آ بسا۔ آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ کہنی صوفے کے ہتھ پہ جمائے' وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم مسل رہا تھا۔

''میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نہ کرے۔ نہیں۔ میں نے اس کی منت نہیں کی۔ مگر میں نے کہا کہ وہ اپنے بھائی جیسا نہیں ہے۔'' نیم روشن لاؤنج میں لڑکے لڑکیاں گلاس چھوڑ کر سننے لگے تھے۔ موسیقی بند ہو گئی تھی۔ پلیٹوں میں چلتے چمچ کانٹے رک گئے تھے۔ دم سادھ کر گویا اسے سنا جا رہا تھا جو بڑی اسکرین پہ یہ اتنا بڑا سا لگ رہا تھا۔ خود زندگی سے بھی بڑا۔

''میں نے اسے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں وہ اندر سے ایک اچھا انسان ہے۔ اور پھر میں نے وہی کہا جو ہابیل نے قابیل سے کہا تھا۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہو تب بھی میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرا مسلمان بھائی تھا۔ مجھے آخری لمحے تک یقین نہ تھا کہ وہ مجھ پہ گولی چلا سکتا ہے۔ وہ high تھا (نشے میں تھا)۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ مجھے اس پہ ترس بھی آ رہا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اوپر گولی نہیں چلائے گا۔ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ مجھے لگا وہ کبھی نہیں بھول سکے گا کہ جب وہ ڈرگز کی زیادتی کے باعث مر رہا تھا تو میں اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ مجھے لگا وہ یاد رکھے گا کہ کبھی ہم دوست تھے۔ مگر نوشیرواں کا ردار نے کچھ یاد نہیں رکھا۔ میں ان آخری لمحوں میں بھی اسے شیرو کہہ کر پکار رہا تھا۔ اور پھر اس نے مجھے تین گولیاں ماریں' اور کہا کہ میرا.....نام.....نوشیرواں.....ہے۔''

شو کے سیٹ پہ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ گویا سانسیں تک رک گئی ہوں۔

''گولی کھانے کے بعد کیا ہوا؟ آئی نو یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملک بھر میں' بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں

بھی بی این نیوز کی نشریات جارہی تھیں' اور لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔''

سعدی نے ایک گہری سانس لی۔'' مجھے تین گولیاں ماریں اس نے۔ پیٹ میں۔ کندھے میں۔ ٹانگ میں۔ میں نیچے گر گیا۔ زمین پہ۔ مجھے لگا اب وہ بھاگ جائے گا' مگر وہ نہیں بھاگا۔ میں اب تک بے یقین تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر وہ میری طرف آیا۔ شاید مجھے لگا کہ اب یہ مجھے اٹھائے گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ وہ میرا اچھا دوست رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ میرے منہ پہ....'' رک کر سانس لیا۔'' وہ میرے منہ پہ جوتے سے ٹھوکریں مارتا رہا۔ ساتھ میں وہ مجھے گالیاں بھی دے رہا تھا' وہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے وہ ہمیشہ outshine ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے وہ بیسٹ نہیں لگ سکتا۔ وہ مجھے مارتا گیا۔ بری طرح۔ گولی سے زیادہ تکلیف دہ وہ ٹھوکریں تھیں۔ وہ بوٹ کی ٹھوکریں جو میرے منہ پہ آ لگی تھیں۔'' اسکرین پہ اب زخمی سعدی یوسف کی پولیس فوٹوز دکھائی جارہی تھیں۔ زخم زخم چہرہ۔ زخمی جسم۔ بند آنکھیں۔ رستا خون۔

''لوگ کہتے ہیں روحانی اذیت زیادہ ہوتی ہے مگر میں آپ کو بتاؤں' جسمانی اذیت زیادہ برا حال کرتی ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے بعد برے لوگوں کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ جسمانی اذیتوں کی جگہ۔ یہ نہیں وعدہ کیا گیا کہ مشرکوں کو ڈپریشن ہوگا' یا ان کے دل ٹوٹ جائیں گے' ان کو طنز و طعنے سے اداس کیا جائے گا بلکہ جسمانی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ وہ تکلیف' وہ اذیت.... وہ بہت زیادہ تھی' اور اس لمحے میرے منہ سے ایک ہی بات نکلی تھی.....'' اللہ حساب لے گا۔''

اینکر اب بریک پہ جارہا تھا۔ کوئی ٹرانس سا ٹوٹا تھا۔ گردنیں مڑیں۔ نگاہیں اٹھیں۔ سب نوشیرواں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ بس نظریں اس پہ گاڑھ دیں۔ وہ ملامتی' وہ اندر تک اتر جانے والی غصیلی نظریں' وہ نفرت انگیز نظریں.... وہاں موجود ہر شخص مدھم زرد بتیوں میں صاف نظر آتے اسٹول پہ بیٹھے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

نوشیرواں چیخ چلا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ والٹ اور چابیاں اٹھائیں' فون جیب میں ڈالا۔ سب اسے گھور رہے تھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ نظریں انی کی طرح اس کے سارے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ دروازہ دور تھا۔ نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کا تنفس تیز' بے ترتیب ہو رہا تھا۔ نفرت' ملامت' غصہ' وہ سارے جذبات آگ کی لپٹوں کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے.... گویا یہ لپٹیں اس کو کھا جائیں گی.... بدقت وہ باہر نکل پایا تھا.... مگر اس ساری تپش نے کاؤنٹر پہ رکھے گلاس میں تیرتی برف کی ڈلیوں کو پگھلا دیا تھا۔ برف کی جمی پرتیں پانی بنتی جارہی تھیں۔

(آج)

''استغاثہ اگلی پیشی پہ گواہوں کو پیش کرے گا' تمام کاغذات عدالت میں جمع کرا کے....'' جج صاحب کی سخت کھردری آواز نے نوشیرواں کو چونکایا تھا۔ وہ ایک دم بے اختیار گردن موڑ کر استغاثہ کی کرسیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سعدی اسی طرح اداس سا بیٹھا تھا۔ زمر اب اٹھ کر جج صاحب کے ڈیسک تک جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہاشم ہاتھ میں کاغذ پکڑے کچھ کہہ رہا تھا اور احمر فائل سے کاغذ نکال نکال کر اسے تھما رہا تھا۔ مگر شیرو کی نظریں اس کے اداس چہرے پہ جم سی گئیں.....

سعدی وہاں نہیں تھا۔ اس کا گہرا خیال اسے یہاں سے دور کسی جنگل بیاباں سے گزار کر.... برف کے سمندر اور سنہری ریت کے محل عبور کرا کے.... نیلی جھیل اور سفید چوٹیوں کے اوپر سے اڑا کے.... اونچی آبشاروں کی سطح پہ تیرا کے.... اس کا خیال اس کو وقت میں پیچھے لے جا رہا تھا.....

(دو ماہ پہلے)

مور چال کی دیواروں سے چمٹی سبز بیلیں اداس اور ویران لگتی تھیں۔ زمر اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ بیڈ پہ سفری بیگ کھلا تھا' اور وہ

اس میں کپڑے تہہ کر کے ڈالے جا رہی تھی۔ انداز سے شدید اکتائی ہوئی لگتی تھی۔ دفعتاً سر کو اٹھا کر کونے میں کھڑے' خفا اور برہم سعدی کو دیکھا۔ ''میں نے یہ تمہارے لئے نہیں کیا۔ دسویں دفعہ بتا رہی ہوں۔''

''آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟'' وہ ذرا بے بس پریشانی میں قریب آیا۔ ''اگر آپ ٹرائل کے لئے فارس ماموں کو چھوڑ دیں گی تو کیا میں یوں خوش ہوں گا۔''

''میں ان ٹپیکل عورتوں میں سے نہیں ہوں جو ہر دوسرے دن کسی ٹی وی ڈرامے میں شوہر کو قربانی کر رہی ہوتی ہیں۔ میں تو صرف....'' سر جھٹکا اور بیگ کی زپ بند کی۔ ''میں صرف ایک کوشش کر رہی تھی۔ مگر بہرحال اب کوئی ٹرائل نہیں ہوگا۔ کیس فائلوں میں دب جائے گا۔ اس لئے میں.... کچھ دن کے لئے یہاں سے جا رہی ہوں۔ پلیز مجھے مت روکنا۔''

وہ خفگی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''آپ جا رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں آپ کو نہ روکوں؟'' پھر گہری سانس لی۔ ''آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کو روکوں گا؟ کب سے لگنے لگا میں آپ کو اتنا خودغرض۔ کیا میں آپ کو سکون سے چند دن نہیں گزارنے دوں گا؟ نہیں چاہیے مجھے ایسا ٹرائل جس کے لئے مجھے آپ دونوں کی قربانی دینی پڑے۔''

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔ ''مگر مجھے تو چاہیے تھا نا۔ خیر' جب میں واپس آؤں گی تو ہم مل کر کچھ حل نکالیں گے اور پھر.....''

''اور پھر کوئی کیس نہیں لڑ رہے ہم۔ کم از کم آپ کے واپس آنے تک میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''او کے!'' زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دی۔ ''اب میں پیکنگ کر لوں۔''

''اور یہ آبدار صاحبہ کب سے آپ کو تنگ کر رہی ہیں؟ اس کو میں کل فکس کرتا ہوں۔'' وہ شدید غصے میں تھا۔ زمر ایک دم ہنس پڑی۔

''ہنسیں کیوں؟''

''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی غنڈہ بدمعاش مجھے بس اسٹاپ پہ روز تنگ کرتا ہو۔ ارے یار وہ ایک اچھی لڑکی ہے' اور اس کو تمہارے دونمبر ماموں اچھے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کوئی ہمت بڑھائی ہوگی ان صاحب نے جو بات یہاں تک پہنچی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی آخر میں لہجہ ذرا جل سا گیا۔ سعدی کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ ذرا سا مسکرایا۔

''ایک وقت تھا' وہ آپ کو زہر لگتے تھے۔''

''شہد اب بھی نہیں لگتا۔ زہر ہی ہے۔'' سر جھٹک کر وہ پرس میں چیزیں ڈالنے لگی۔ پھر اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا؟''

''کچھ نہیں۔'' ہنس کر سر جھٹکا۔ ''آپ آرام سے جائیں۔ اب ہم کسی ٹرائل کا نہیں سوچیں گے۔'' زمر اسے چند لمحے تک دیکھے گئی۔ جیسے کنفیوژ ہو۔ پھر امید بندھی۔ ''تم سچ کہہ رہے ہو نا۔ میرا مطلب ہے۔ تم ٹھیک ہو نا؟''

''اب ہو گیا ہوں ٹھیک۔ آپ کو خوش دیکھ کر ٹھیک ہوں میں۔ اور وہ جو باتیں گروپ پہ آپ میرے لئے لکھتی ہیں نا' ان کو پڑھ کر مزید ٹھیک ہو گیا ہوں۔ فکر نہ کریں اور آرام سے جائیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور تسلی بھی دے رہا تھا۔ زمر کا دل جیسے ہلکا سا ہو گیا۔ وہ سکون سے پیکنگ کرنے لگی۔

پھر باہر سے استری والے کپڑے اٹھانے آئی تو کمرے کے سامنے لاؤنج کے صوفے پہ حنہ بیٹھی تھی۔ یقیناً وہ کھلے دروازے کے باعث سب دیکھ اور سن چکی تھی۔ (گھر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ سب سارہ خالہ کی طرف گئے تھے۔ ندرت کو بہت گلے تھے ان

لوگوں سے۔)

''اس کو جج مت کریں۔'' زمر کو استری اسٹینڈ سے تہہ شدہ کپڑے اٹھاتے دیکھ کر وہ بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ بیمار ہے۔ آبدار۔ اس کو جج مت کریں۔''

زمر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس کپڑے اٹھاتی رہی۔ دونوں کے بیچ سعدی کے آنے کے بعد سے در آنے والا تناؤ ایک دم زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر حنین شکستگی سے بولی۔ ''سوری مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میرا مقام ایسا نہیں ہے کہ میں آپ کو غلط یا صحیح بتا سکوں۔''

زمر ایک جھٹکے سے اس کی طرف گھومی۔ پیر اوپر کر کے بیٹھی اس اداس لڑکی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''تم سعدی کی جگہ نہیں لے سکتیں حنین۔ تم.... سعدی.... کبھی نہیں بن سکتیں۔ جو میرے لئے سعدی ہے' وہ تم نہیں ہو سکتیں کبھی بھی!''

حنین ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دل اتنا زور کا ٹوٹا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں کرچیاں بکھرنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

''ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تم سعدی نہیں بن سکتیں' نہ تم اس کی طرح ہو۔ تم حنین ہو۔ اور جو تم میرے لئے ہو' وہ سعدی میرے لئے نہیں بن سکتا۔ اسی طرح فارس' سعدی' یا دنیا میں کوئی بھی شخص خواہ اس سے میں کتنی ہی محبت کروں یا وہ مجھ سے محبت کرے' وہ میرے لئے حنین نہیں ہو سکتا۔ حنین کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ خونی رشتوں میں موازنہ اور مقابلہ نہیں کرتے۔ کر ہی نہیں سکتے۔ ہر شخص کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ تمہاری بھی ہے اور اس جگہ کو کوئی نہیں بھر سکتا۔''

آنسو حنین کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔ لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''اور ایسے ہی تمہاری زندگی میں کوئی زمر کی جگہ نہیں لے سکتا جس کے جانے کے بعد تم کھڑکی پہ کھڑی ہو کر اس کے واپس آنے کا انتظار کرو۔ جس کی بھولی ہوئی چابیاں اور گلاسز لوٹانے کے لئے تم اس کا بیچ راستے سے مڑنے کا انتظار کرو۔ جب تم زمر کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی تو میں بھی حنین کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں پہ چھائی گرد کو زمر نے پانی ڈال کر جیسے دھویا تھا۔ زمر کپڑے لے کر آگے بڑھ گئی اور وہ ایک خوشگوار احساس میں گھری بیٹھی رہ گئی۔ ایک محبت کھوئی تو کیا ہوا۔ بہت سی مل بھی تو گئیں۔ سعدی آہستہ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو حنہ چونکی۔ اس کی مسکراہٹ غائب تھی۔ اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ ''ہم نے ٹرائل لڑنا ہے حنہ' مجھے بتاؤ کیسے!''

حنین کے دل کو دھکا سا لگا۔ ''تو وہ سب جو ابھی کہا۔''

''یہ میری جنگ ہے' مجھے لڑنی ہے' ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔''

سوری مگر میں ٹیم فارس ہوں' اور میرا خیال ہے آپ کو بالکل بھی انصاف نہیں ملے گا۔ یہ سب بے کار ہے بھائی۔'' وہ الٹا اسے سمجھانے لگی تھی۔ سعدی بنا تاثر لئے بس اسے دیکھے گیا۔

(آج)

اپنے عالمِ تنویم سے وہ نکلا تو خود کو عدالتی کمرے میں پایا۔ پھر سر جھٹک کر وہ اٹھا اور جانے والوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کی کرسی وہیں پڑی رہی۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی سوئیاں اپنی مسافت طے کرتی رہیں۔ روشنی' اندھیرا' روشنی' بارش' آندھی' پھر اندھیرا' پھر روشنی۔ کھڑکی سے باہر آسمان کے سارے بدلتے عکس اس کرسی پہ پڑتے رہے یہاں تک کہ وہ واپس آ کر اس پہ بیٹھا' آج سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تو یوں لگتا تھا گویا بالخصوص تیار ہوا ہو۔ تازہ شیو' تازہ قلموں سے تراشے بال' نیا کرتا شلوار' پیروں میں پشاوری چپل' وہ گویا تیار تھا۔

گواہی دینے کے لئے۔

نظر اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔تو سب اپنی معمول کی کرسیوں پہ آ بیٹھے تھے۔ہلچل اور آوازوں کے بیچ بھی وہ دیکھ سکتا تھا' نوشیرواں چپ چاپ ہاشم کے پہلو میں بیٹھا ہے۔اس کا چہرہ ویران اور آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں۔وہ بالکل لاتعلق سا سامنے دیکھ رہا تھا۔کسی غیر مرئی نقطے کو.....شاید اس کی نظروں میں بہت سے نقطے تھے.....سفید نقطے.....ٹی وی اسکرین کے سفید شور کی طرح.....

(دو ماہ پہلے).

اس نے چینل بدلا تو اسکرین پہ سفید دانے سے آ رہے تھے۔(White noise) ہاشم نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اگلا چینل لگا لیا۔وہ اس وقت آدھی آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر میں بیٹھا' بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے اور پاؤں میز پہ رکھے ہوئے تھا۔یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔بیڈ روم کی بتیاں بھی مدھم تھیں۔ایسے میں دروازہ دستک کے بعد کھلا تو اس نے چونک کر دیکھا۔چوکھٹ میں شیرو نظر آ رہا تھا۔نیم روشن ماحول میں بھی وہ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

''تم نے ڈرگز لی ہیں کیا؟'' ہاشم بولا تو لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔بس وہ جاننا چاہتا تھا نوشیرواں خاموشی سے اندر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔لاک کے چوکھٹ میں گھس کر ''کلک'' ہونے کی آواز آئی۔شیرو ہاتھ پیچھے دروازے پہ رکھے یونہی کھڑا رہا۔

''میں انٹرویو نہیں دے سکتا۔''

ہاشم نے نہ ابرو بھینچے نہ برہمی ظاہر کی۔بس سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گیا۔

''میں سعدی کی طرح انٹرویو نہیں دے سکتا۔آپ نے جو انٹرویو میرے لئے رکھوایا ہے اس کو منسوخ کر دیں۔''

''کیوں؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔سیاہ آنکھیں نوشیرواں کی سنہری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

چند پل سرکے۔زرد روشنیوں کا نیم اندھیرا مدھم سی ٹی وی کی آواز' کھڑکی کے باہر بہتی' بھیگتی رات.....سب خاموش تھے۔

''مجھ سے وہ سب.....وہ اسکرپٹ نہیں بولا جائے گا۔بھائی لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔''جب سے اس کا انٹرویو آیا ہے' میں جس جگہ جاؤں' لوگ یا تو مجھے باتیں سناتے ہیں یا نفرت سے دیکھتے ہیں۔میں کسی پارٹی میں کسی ٹیبل پہ بیٹھوں تو لوگ وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔میں قابلِ نفرت' قابلِ حقارت بن کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔''اس نے ساری زندگی میرے ساتھ یہی کیا۔مجھے ہمیشہ اندھیروں میں دھکیل کر ساری روشنی خود سمیٹنی چاہی۔وہ اب بھی میرے ساتھ یہی کر رہا ہے۔جو بوٹ میں نے اس کے منہ پہ مارے تھے' وہ میرے ہر دوست' ہر عزیز' پبلک کے ہر آدمی سے میرے منہ پہ لگوا رہا ہے۔میں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔''

''ملک سے باہر چلے جاؤ۔''

''اس سے کیا ہوگا؟ میرا سوشل سرکل تو وہی رہے گا نا۔میں ایک دفعہ بھاگا تھا' اب نہیں بھاگوں گا۔'' ایک عزم سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔''میں انٹرویو نہیں دوں گا' کچھ نہیں بولوں گا۔کیونکہ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔برڈن آف پروف الزام لگانے والے پہ ہوتا ہے' انہیں ثابت کرنے دیں۔عدالت میں ان کے خلاف میرا دفاع کریں بھائی۔مجھے بری کروا دو تاکہ میں فخر سے کہہ سکوں کہ میں بے گناہ تھا تبھی مجھے بری کیا گیا ہے۔''

ہاشم چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔شیرو کے چہرے سے واضح تھا کہ وہ بہت مشکل سے اس فیصلے پہ پہنچا ہے۔

''ہم ٹرائل پہ نہیں جا رہے شیرو۔میں اس کیس کو فائلوں میں دبا دوں گا۔''

''مگر بھائی' ہم.....''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟'' ہاشم ریموٹ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا لہجہ تند ہو گیا تھا۔

''کیا؟''

''یہی۔ بار بار کہنا میں ٹرائل پہ نہیں جاؤں گا۔''

نوشیرواں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ہاشم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے سامنے آرکا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں یہ تمہیں بچانے کے لئے نہیں کر رہا تھا۔ میں یہ خود کو بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔''

''مگر آپ کا تو نام ہی نہیں.....''

''میں یہ اپنی روح بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔ جانتے ہو ٹرائل میں جائیں گے تو کیا ہوگا؟'' وہ تیزی اور درشتی سے بولا تھا۔ ''مجھے ان کے خاندان کے ایک ایک شخص کو عدالت میں گھسیٹ گھسیٹ کر بے عزت کرنا ہوگا۔ مجھے زمر کو ایک کرپٹ وکیل اور ایک منافق عورت ثابت کرنا ہوگا جو اپنے شوہر کے خلاف بھی پلاننگ کرتی رہی ہے۔ مجھے سعدی کو دہشت گرد اور مجرم اور ہوس پرست لالچی نوجوان ثابت کرنا ہوگا ،حنین کو بدکردار اور فارس کو قاتل ثابت کرنا ہوگا۔ جب ہم ان سب کے کردار مسخ کر چکے ہوں گے' فائلیں کھول کھول کر جج کو دکھائیں گے کہ ندرت یوسف نے ناجائز زمین پہ قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے بڑے ابا اپنی مازمت کے دوران کتنی دفعہ رشوت لے چکے ہیں' اور جب یہ کہانیاں اخباروں میں چھپیں گی اور ٹی وی پہ دکھائی جائیں گی' تب.....تب عدالت سعدی کی بات پہ یقین کرنا ختم کرے گی۔ تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یا تو میں اس پورے خاندان کو نئے سرے سے تباہ کروں یا اس کیس کو ہی دبا دوں۔ دونوں صورتوں میں جیتیں گے ہم ہی۔ تو پھر میں کیوں کروں ان کے ساتھ دوبارہ ایسے؟ کیا ہم نے کم نقصان کیا ہے پہلے ان کے خاندان کا؟ کتنے لوگ مارے' کتنے ابھی تک ہماری وجہ سے بیمار ہیں' اور سعدی.....کیا میں اسے دہشت گرد ثابت کر دوں؟ کیا یہ اس کو مار ڈالنے کے برابر نہیں ہوگا؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں موو آن نہ کروں؟ اس سب کو چھوڑ کر نئی زندگی نہ شروع کروں؟ بہت دفاع کر لیا میں نے تمہارا' اب نہیں کروں گا اور تم چپ چاپ وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ یہ میں اپنے مفاد کے لئے نہیں کر رہا۔ مجھے.....عدالت.....میں.....کوئی نہیں ہرا سکتا نوشیرواں۔ زمر اور سعدی مل کر بھی نہیں۔ مگر یہ سب میں اپنی روح اور ان کی زندگیوں کے لئے کر رہا ہوں۔''

نوشیرواں حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس سب کی امید نہ تھی.....

ٹی وی اسکرین ہنوز چل رہی تھی۔ سگنل پرابلم کی وجہ سے اس چینل پہ رنگ برنگے دانے سے ابھرتے نظر آنے لگے تھے.....ساتوں رنگ کے دانے.....

(آج)

''ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتائیے۔'' کسی مقناطیس نے لوہے کے ان سارے ذرات کو گہرے کنویں سے باہر کھینچ نکالا۔ نوشیرواں سنبھل کر' اپنے گرد موجود عدالتی کمرے کا احساس کر کے' کٹہرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سعدی کھڑا تھا۔ کٹہرے کے اندر۔ وہ حلف لے چکا تھا اور اب اس کے سامنے' تین قدم نیچے کھڑی زمر' گردن اٹھا کر اسے دیکھتی' نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔'' اس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ دونوں ہاتھ جمائے' پوری طمانیت سے کہا تھا۔

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟''

''اسلام آباد۔''

''مذکورہ واقعے سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟'' سب خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے۔

''میں.....کیمیکل انجینئر تھا۔''

''ذرا اونچا بولیں۔'' زمر نے اشارہ کیا۔ وہ ہلکا سا کھنکار کر بولا۔ ''میں کیمیکل انجینئر ہوں' یونیورسٹی آف لیڈز سے میں نے تعلیم

حاصل کی ہے۔اور میں نیسکام میں بطور سائنسدان کام کرتا تھا۔تھرکول پاور پراجیکٹ کا میں سینئر انجینئر تھا۔'' سعدی کے چہرے پہ طمانیت تھی۔ وہ اٹھی گردن اور ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ بتا رہا تھا۔جج صاحب رخ اس کی جانب ترچھا کیے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''سعدی یوسف' آپ کے والد کیا کرتے تھے؟'' زمر دونوں ہاتھ باہم پھنسائے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''وہ ایک ٹیچر تھے۔میں تیرہ سال کا تھا جب ان کی ڈیتھ ہوئی۔''

''اور آپ کی والدہ؟''

''ابو کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ٹیچنگ شروع کی۔ہمیں بڑا کیا۔پھر بعد میں انہوں نے ریسٹورانٹ کھول لیا۔کرایے پہ شاپ حاصل کی تھی۔ہمارا گھر بھی کرایے کا تھا۔'' زمر نے ذرا چہرہ موڑ کر جج صاحب کے تاثرات دیکھے' پھر واپس اس کی طرف گھومی۔جج صاحب عینک کے پیچھے سے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔

''تو آپ پھر لیڈز پڑھنے کیسے گئے؟''

''میں نے ایک اسکالرشپ اپلائی کی تھی' مجھے بتایا گیا کہ مجھے اسکالرشپ ملی ہے' ایک امیر آدمی مجھے اسپانسر کرے گا۔''

''کیا واقعی ایسا ہی تھا؟''

''میں کئی برس تک سمجھتا رہا کہ ایسا ہی ہے' مگر بہت دیر سے مجھے معلوم ہوا کہ میری فیس زمر یوسف دیتی ہیں۔''

''اور میں نے آپ کو اس بات سے کیوں آگاہ نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ میں آپ کو آپ کا واحد پلاٹ اپنے لئے نہ بیچنے دیتا کبھی۔آپ نے مجھے بتائے بغیر اسے بیچا' اور پھر میری فیس بھری۔پانچ سال تک بھری۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔ماحول میں ایک نرم سے' خلوص بھری محبت کی خوشبو آنے لگی۔

''Too poetic'' پیچھے کرسی پہ براجمان ہاشم نے اونچی آواز میں تبصرہ کیا تھا۔زمر اس کی طرف گھومی ہی تھی کہ جج صاحب بولے۔

''آپ کو کوئی اعتراض کرنا ہے کاردار صاحب؟''

''نہیں یور آنر۔میں تو محض اونچا سوچ رہا تھا۔'' سادگی سے شانے اچکائے۔اس خوشبو کا اثر ایک دم ٹوٹ سا گیا۔زمر واپس گھومی۔ سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''سو جب بھی آپ یہ کہتے تھے کہ آپ اسکالرشپ پہ گئے ہیں' آپ اس اسکالرشپ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے تھے!''

''جی۔''

''اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے کبھی ''شو آف'' نہیں کیا۔''

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔''جہاں تک مجھے یاد ہے' ایسا ہی ہے۔''

نوشیرواں فوراً ہاشم کی طرف جھکا۔''جب میں اس کے ریسٹورانٹ گیا تھا' اور ایک بچہ میری کار کے نیچے آتے آتے بچا تھا' تب اس نے بھرے مجمعے کے سامنے اسکالرشپ کی بات کی تھی۔تب تو اس کو پتہ تھا۔یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

''وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔اسے یاد نہیں ہوگا۔''

''تو آبجیکٹ کریں نا۔'' شیرو جھنجھلایا۔ہاشم نے اسے گھورا۔

''تاکہ ثابت ہو جائے کہ تم اس کے ریسٹورانٹ گئے تھے! چپ کر کے بیٹھو!'' شیرو کڑوا سا منہ بنا کر پیچھے کو ہو گیا۔

دوسری جانب والی کرسیوں پہ پیچھے پیچھے آبدار بیٹھی تھی۔ آج اس کی قطار خالی تھی۔ حنین اگلی قطار میں تھی اور فارس نہیں تھا۔ آبدار گود میں رکھے سیل فون کی سیاہ اسکرین پہ بے خیالی میں انگلی پھیر رہی تھی۔ اس کا ذہن منتشر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سیاہ اسکرین پہ نظریں ماکن کیے وہ اس میں جھملا تا اپنا عکس دیکھنے لگی.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کلینک میں کرسی پہ بیٹھی اور سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سیاہ بجھی ہوئی اسکرین میں اسے اپنا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم لگتی تھی۔ اس کے عین پیچھے دیوار گیر کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی کے علاوہ اوپر سے نیچے لٹکتی سبز بیلیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ تبھی دروازہ دھیرے سے کھلا۔ آبدار نے نظریں اٹھائیں۔ ذرا سا مسکرائی۔

ایک متذبذب مگر سنجیدہ سا سعدی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ آبی اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ بس سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا آپ اپنے مریضوں کو کاؤچ نہیں پیش کرتیں؟'' وہ سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ مریض نہیں ہیں۔ subject ہیں میرے لئے۔ کچھ پئیں گے؟'' انٹر کام پہ ہاتھ رکھے اس نے استفسار کیا۔

''اونہوں.... صرف بولوں گا۔''

''کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔'' سعدی چند لمحے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ وہ ہلکی سی سفید سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ سوئیٹر کے اندر سے کالر بھی جھلک رہے تھے۔ چہرے سے سوگوار لگتا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے سعدی یوسف کا کوئی ghost بیٹھا ہے۔ تم وہ شخص نہیں رہے۔'' آبدار کو افسوس ہوا۔

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جو لڑکا میں تھا' اگر وہ لڑکا اب مجھے دیکھے تو کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ کھڑکی سے باہر لان میں ٹہلتے مور' درختوں پہ بیٹھے پرندے.....

''یہی سوچے گا کہ تمہیں راہِ راست پہ لانے کو کون سا لیکچر دیا جائے۔ وہ لڑکا ہر وقت دوسروں کو فکس کرنے والی باتیں سوچتا تھا۔'' پھر شرارت سے مسکرا کر آگے ہوئی۔ ''کہیں مجھے بھی فکس کرنے تو نہیں آئے۔''

''سوچا یہی تھا' مگر تم میرے لئے میری بہن کی طرح ہو۔ اور اس نے کہا تھا کہ تمہیں جج نہ کیا جائے۔ سو میں یہاں تمہارا شکریہ کرنے آیا ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کوئی لمبا چوڑا NDE نہیں ہے۔''

آبدار حیران ہوئی۔ ''مگر تم تو نیئر ڈیتھ سے نکل کر آئے ہو۔ ہے نا۔''

''یہ صرف میرے ڈاکٹر کا اندازہ تھا' ورنہ میں گہرے خواب سے نکل کر موت تک نہیں گیا تھا۔ میں پہلے کبھی بتا نہیں سکا' مگر میں اس لیول تک نہیں جا سکا۔ میں نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔''

''آہاں۔'' وہ توجہ سے سننے لگی۔ ''کیا خواب؟ یہ کرسی آرام دہ ہے' تم ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔'' سعدی نے ہلکی سی ٹیک لگائی' مگر سر پیچھے نہیں لگایا۔ وہ کھڑکی سے باہر نظر آتے مور کو دیکھ رہا تھا۔ مور اپنے بھدے پیروں کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔ اس کے پنکھ دھنک کے ساتوں رنگ اپنے اندر سموئے اس کے وجود کے گرد پھیلے تھے۔

''تم نے کیا دیکھا تھا؟'' اسے آبدار کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ نگاہوں کے سامنے بس وہ مور تھا۔ اس کے پیروں کے رنگ تھے۔

''میں نے.... خواب دیکھا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ ہم لوگ گئے تھے کسی پہاڑی وادی میں۔ نام یاد نہیں۔ وہاں ایک چشمے پہ بیٹھے ہوئے زمر نے مجھے کہا تھا کہ.....'' مور دفعتاً ٹہلتے ٹہلتے رک گیا تھا۔ گویا غور سے کسی کو دیکھنے لگا ہو۔ سامنے سے مورنی چلتی آ رہی

تھی۔ وہ سفید تھی' برائلر مرغی جیسی سفید اور واجبی سی۔ بلکہ بدصورت سی۔

''زمر نے کہا تھا کہ زندگی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ میری keeper بنیں گی۔ میرا خیال رکھیں گی۔ میری حفاظت کریں گی۔ مگر کوئی بھی میری حفاظت نہیں کر سکا۔''

''تم غصہ ہو سب پہ؟'' مورنی اب مور کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ گول' گول۔

''میں دکھی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے.....جیسے.....''

''جیسے یہ سب پھر سے دہرایا جائے گا اور تم اس دفعہ سروائیو نہیں کر پاؤ گے۔''

وہ چونک بھی نہیں سکا۔ اس کی توجہ موروں پہ تھی۔ مور کسی راجکمار کی طرح پر پھیلائے اکڑ کر کھڑا تھا اور مورنی اس کے گرد گھومے جا رہی تھی۔

''ہاں۔ مجھے اندر سے یہی خوف لاحق ہے۔ کہ میں پھر سے کسی ٹریجڈی کا شکار ہو جاؤں گا۔''

''کیا تم نے اس خوف کو اپنے اندر سے نکالنے کے لئے کچھ کیا ہے؟''

''کیا کروں؟''

''سوچو۔ کوئی راستہ نکالو۔'' وہ آواز گو کہ دور سے آ رہی تھی مگر اس میں رعب تھا۔ اثر انگیزی تھی۔ ایسی مضبوطی کہ وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ جیسے اس کا حکم ماننے پہ مجبور ہو۔ نظریں موروں پہ تھیں۔ مورنی اب مور کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

''کیسے نکالوں راستہ؟''

''صرف تم نکال سکتے ہو راستہ۔''

''مجھے انصاف چاہیے۔''

''ہم زندگی میں اکثر چیزوں کی تمنا کر کے سوچتے ہیں کہ جب مجھے یہ مل جائے گا تو میں بہت خوش ہو جاؤں گا۔ غلط۔ خوشی ہمارے اندر ہوتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہو کر بھی ہم خوش نہیں ہیں تو کچھ پا کر بھی نہیں ہوں گے۔ ابھی سے ٹھیک ہونے کی مشق کرو گے تو ٹھیک ہو بھی جاؤ گے۔''

''کیا کروں؟'' اس کا وجود کمزور پڑ رہا تھا۔ آواز کمزور تھی۔

''انصاف ڈھونڈو مگر یہ بھی سوچو کہ اگر انصاف نہ ملا تو کیا تم سنبھل سکو گے؟ کیا دوبارہ اٹھ کھڑے ہو سکو گے؟''

''کیا ہو جاؤں گا؟''

''ہاں۔ ہو جاؤ گے۔'' آواز میں یقین تھا' مضبوطی تھی۔ دھونس تھی۔ اس کا اثر دل تک ہوتا تھا۔ اس کا اثر دماغ پہ بھی ہوتا تھا۔

''کیا کرنا ہو گا مجھے انصاف کے لئے؟''

''جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے۔ نہ میں کچھ کر سکتی ہوں' نہ بابا' نہ زمر' نہ فارس۔ سب نے اپنی اپنی کر کے دیکھ لی۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے ہاشم کو اس مقام تک لانا چاہا کہ وہ تمہارا مقابلہ کورٹ میں کرے' مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔ صرف تم یہ کر سکتے ہو۔''

اب چپ چاپ اپنی مورنی کے قریب بیٹھ گیا۔ پروں کو سمیٹ لیا تھا۔

''میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں خود گنہگار ہوں۔'' اس کی آواز کانپی۔

''یہاں سب گناہگار ہیں سعدی۔ ہر ایک کو برے کاموں اور بری لتوں نے جکڑ رکھا ہے۔ کوئی اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرتا رہتا ہے اور کوئی سیاہ کاریوں کے اندھیرے میں بھی نھا سا دیا جلائے رکھتا ہے۔ سب ہی گناہگار ہیں۔ تم ہو تو کیا بڑی بات ہے؟''

''میں یہ کیسے کرسکتا ہوں؟ جو کوئی نہ کرسکا وہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟''

''کیونکہ تم ہمیشہ وہی کرتے آئے ہو جو کوئی اور نہیں کرسکا۔ میں نے عرصہ پہلے تمہیں کہا تھا' تمہارے اندر ایک ہی خوبی ہے۔ تمہاری باتیں۔ اس کو استعمال کرو۔ ایک دفعہ پھر.....''

موروں کے جوڑے نے یکا یک کسی شے کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کر آگے کو بھاگے۔ کھڑکی سے نظر آتے لان کے حصے سے وہ غائب ہوگئے۔ سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس کے شل اعصاب بیدار ہونے لگے تھے۔ اس نے آنکھیں مسلیں۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اسی طرح سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں.....؟'' وہ پوچھ بھی نہیں سکا۔ وہ حیران تھا۔ وہ اچنبھے میں تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ تم معمولی سے hypnosis (عالمِ تنویم) میں تھے۔ جیسے کوئی کتاب پڑھتے ہوئے' کوئی فلم دیکھتے ہوئے ہم اس میں کھو جاتے ہیں۔ تم بھی گہرے خیال میں تھے۔'' سعدی چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

''میری باتوں پہ غور کرنا!'' اس نے تاکید کی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر سر ہلا رہا تھا.....

(آج)

''پہلی دفعہ آپ کا ہاشم کاردار سے تعارف کب ہوا تھا؟'' آبدار نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ کورٹ روم میں بیٹھی تھی اور دور سامنے' کٹہرے کے نیچے کھڑی زمر سوالات کر رہی تھی۔ وہ سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

''آٹھ سال پہلے' جب وہ اپنے مرحوم والد کے ساتھ میرے گھر آئے تھے اپنے ولیمے کا کارڈ دینے۔'' اسٹینڈ میں کھڑا سعدی بتا رہا تھا۔

''آپ کا ان کے بارے میں پہلا تاثر کیا تھا؟''

''یہی کہ وہ ایک بہت اچھا آدمی ہے۔''

''اور اب آپ کو لگتا ہے کہ آپ غلط تھے۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' پیچھے بیٹھا ہاشم پکارا تھا۔ ''مسز زمر گواہ سے رائے مانگ رہی ہیں۔'' (گواہ سے گواہی یعنی fact مانگے جاتے ہیں' رائے نہیں۔) ہاشم نے ایک دو واجبی سے اعتراضات کے علاوہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

''Sustained'' جج صاحب نے زمر کو اشارہ کیا' اس نے سر کو خم دیا۔

''نوشیرواں کاردار سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''چند دن بعد جب میں ہاشم کاردار کے گھر گیا۔''

''ابھی آپ کو ان سے ملے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور آپ ان کے گھر بھی چلے گئے۔''

''میں اس لئے گیا تھا کیونکہ وہاں میرے ماموں رہتے تھے۔ واپسی پہ میں ہاشم کی طرف چلا گیا۔''

''اور پھر؟''

''میں اسٹڈی میں تھا جب میں نے کراہنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ساتھ والے کمرے کی بالکونی میں نوشیرواں گرا پڑا ہے۔ وہ ڈرگز کی اوورڈوز کی وجہ سے قریب المرگ لگتا تھا۔ میں نے میری ایجنو کو کار نکلوانے کا کہا اور پھر ہم اسے ہاسپٹل لے گئے۔ بہرحال وہ جلد ٹھیک ہوگیا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اسکی جان بچائی!''

''میں کہہ نہیں رہا۔ سب گواہ ہیں اس کے۔''

''اوکے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کنکھیوں سے وہ مسلسل جج صاحب کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے' کہنی ڈیسک پہ ٹکائے' متوجہ مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''مسز کاردار سے آپ کا کیسا تعلق تھا؟''

''میں اپنی اور مسز کاردار کی تمام ای میلز کا ریکارڈ کورٹ میں جمع کرا چکا ہوں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنے بیٹے کی جاسوسی کرنے کے لئے کہتی تھیں اور میں محض اس کی بھلائی کے لئے ان کو بتا دیتا تھا اگر نوشیرواں کسی غلط کام میں ملوث ہوتا تو۔ بہت دفعہ میں نے نوشیرواں کا پردہ بھی رکھا' مگر یہ ایک ماں کا حق تھا۔''

''لیکن جب نوشیرواں کو آپ کے سامنے یونی میں مارا پیٹا گیا تو آپ نے اسے کیوں نہیں بچایا؟''

''میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ میں نے اس لئے نہیں بچایا کیونکہ ہاشم کاردار نے مجھے منع کیا تھا' کیونکہ اس نے خود اپنے بھائی کو پٹوایا تھا تاکہ وہ اس کی دوست آبدار عبید کو تنگ نہ کرے۔''

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' جواہرات بے یقینی سے ہاشم کے قریب ہوئی۔ ''تم نے اس کو نہیں بتایا تھا۔''

''کیا اس کو پتہ تھا بھائی!'' شیرو ہلکا سا غرایا۔ ہاشم خود بھی چونکا تھا۔ ''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔'' وہ حیران تھا۔

''سو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہاشم جس لڑکی کو پسند کرتا تھا نوشیرواں اس کو ہراساں کرنے لگا تھا' سو ہاشم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا؟'' زمر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ ہاشم ابرو اکٹھے کیے آگے کو ہوا۔ وہ متحیر تھا۔

''جی۔ جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' ہاشم کی میل ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے' اور میں اس کی کاپی آپ کو دے سکتا ہوں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہاشم ہی اپنے بھائی کا دشمن تھا' میں نہیں۔'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

جب زمر نے ایک کاغذ جج صاحب کو اور ایک ہاشم کو پکڑایا تو ہاشم نے تیزی سے ناک پہ عینک لگائی اور اسے پڑھا۔ جواہرات اس کے کندھے سے جھک کر اسے پڑھ رہی تھی۔ سعدی اور زمر نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا۔ یوں لگتا تھا دفاع کی کرسیوں پہ کھلبلی سی مچ گئی ہو۔

''یہ تمہارا لکھنے کا اسٹائل ہے۔ ای میل بھی درست لگ رہی ہے۔ فارنزک میں بھی درست ثابت ہوگی ورنہ زمر اس کو جمع نہ کراتی۔ ہاشم یہ کیا ہے۔'' جواہرات نے تلملا کر اسے گھورا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''یہ درست ہے مگر یہ کسی نے بیک ڈیٹ میں جا کر اب بھیجی ہے' کوئی جس کو ان امور میں مہارت ہو اور.....'' چونک کر اس نے گردن موڑی۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ پیچھے بیٹھی حنین کو دیکھا۔ وہ (جج صاحب سے نگاہ بچا کر) ہاتھ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر' ہتھیلی ہاشم کو دکھائی۔ BINGO۔ ہاشم نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر شانے اچکا کر سامنے دیکھنے لگی۔

ہاشم گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔ ''وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔'' اس نے مدھم سرگوشی کی۔ ''وہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب میں نے انٹرویو میں کہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ یہ سب انٹرویو میں کہہ چکا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ ایسا ہوا بھی تھا۔ technically یہ جھوٹ نہیں ہے اور وہ پکڑا نہیں جا سکتا۔ لعنت ہے۔''

''تو اس نے انٹرویو دنیا کو ایموشنل کرنے کے لئے نہیں دیا تھا؟ بلکہ عدالت میں اپنے الفاظ کی ہیرا پھیری کرنے کے لئے دیا تھا!''

''میں نے ایک دفعہ بھی اس کا انٹرویو نہیں سنا۔ ڈیم اِٹ۔'' ہاشم کاغذ لے کر اٹھا۔

''یور آنر یہ ای میل خود ساختہ ہے' میں نے ایسی کوئی میل سعدی کو نہیں کی۔''

''رئیلی ہاشم؟ کیا تم پردو کر سکتے ہو؟'' زمر نے سادگی سے آنکھیں جھپکائیں۔ ہاشم گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ ایک تیز نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے بھی مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

زمر واپس سعدی کی طرف گھومی۔ استغاثہ کے بینچ میں واضح تبدیلی آئی دکھائی دیتی تھی۔ مسکراہٹیں بڑھ چکی تھیں۔ آرام دہ ماحول بن چکا تھا۔ زمر نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے غیر ارادی طور پہ انگلی میں پہنی انگوٹھی کو گھما کر پیچھے دھکیلا۔ اس کا نیلا ہیرے جیسا چمکتا نگینہ ڈھیروں روشنیاں پھوٹنے لگا۔ ایسی خوبصورت روشنیاں کہ اگر تم ان میں دیکھنے لگو تو تمہاری آنکھیں چندھیا جائیں' اور پھر تم کچھ اور نہ دیکھ سکو.....ہیروں جیسی روشنیاں.....

(دو ماہ پہلے)

اور جب یہ روشنیاں چھٹیں تو سامنے ایک خوبصورت وادی تھی۔

سبز پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی نیلی سڑک کسی آبشار کی طرح اونچائی سے نیچے گر رہی تھی۔ سڑک پہ چہل قدمی کرتے سیاح' دکانوں کا رش' اپنا اپنا سامان بیچتے خوانچہ فروش' اوپر تیرتے بادل' ان سب سے بے نیاز وہ دونوں سڑک کنارے چلتے اوپر سے نیچے آ رہے تھے۔ فارس نے اپنی بھوری جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے' سر پہ پی کیپ تھی' اور زمر سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے' گردن جھکائے قدم قدم نیچے اتر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور کچھ اداسی سے بائیں طرف چلتے فارس کو دیکھا۔

''ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ بلکہ میں ادھر کیا کر رہی ہوں؟ مجھے تو اس وقت کورٹ میں ہونا چاہیے تھا۔''

فارس کے چہرے پہ خفگی ابھری۔ کیپ والا سر موڑ کر اور آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کم از کم ان تین چار دنوں میں ہم نوشیرواں کے ٹرائل کی بات نہیں کریں گے۔''

''میں اس ٹرائل کی بات نہیں کر رہی۔ کل اس کی پیشی تھی اور نہ ہاشم گیا نہ میں۔ میں اپنے کورٹ کیسز کی بات کر رہی ہوں۔ میں ایسے ہی ادھر آ گئی۔ میرا اتنا کام پڑا تھا پیچھے۔'' اس نے سر کو ذرا جھٹک کر گال کو چھوتی گھنگریالی لٹ پرے ہٹانی چاہی۔ (گرم جیبوں سے ہاتھ نہیں نکالے۔) لٹ کان تک گئی اور پھسل کر واپس گال پہ آ گئی۔

''جی ہاں۔ جانتا ہوں۔ پتہ ہے مجھے آپ وکیل کیا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی فیسیں لے کر تاریخ پہ تاریخ دیتے جاتے ہیں۔ آپ کی چند دن کی غیر حاضری سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ویسے بھی عدالت میں جا کر آپ نے جھوٹ ہی بولنا ہوگا۔ اچھا ہے نا' چند دن آپ کے اس بائیں کاندھے والے نگہبان کو ریسٹ ملے گا۔''

''ہاں ہاں تم تو جیسے جیل میں نعتیں پڑھتے تھے۔ لنگر بٹوایا کرتے تھے۔'' وہ مسکرا کر مگر تندہی سے بولی تھی۔

فارس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر جیکٹ کا کالر جھٹکا۔

''سوشل ورک کرتا تھا میں۔''

''ہاں' کسی کی پسلی توڑی تو کسی کا جبڑا۔ سوشل ورک رائٹ!''

''استغفراللہ۔ کیوں میری مقبولیت سے جلتی ہیں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ٹھنڈی سی سرمئی سڑک کے اردگرد پھیلے سبز پہاڑوں سے قطعاً بے نیاز وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ ''جیل میں لوگ مجھے پسند کرتے تھے۔''

''غلط۔ تم سے ڈرتے تھے۔''

''کچہری میں لوگ آپ سے نہیں ڈرتے کیا؟''

''میری عزت کرتے ہیں۔''

''جی ہاں' بڑی عزت سے آپ کو چڑیل کہتے ہیں۔''

''فارس غازی!'' وہ خفگی سے ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ فارس کے قدم رک گئے۔ مسکراہٹ دبا کر اس کے چہرے کو دیکھا جو برہمی سے تمتمانے لگا تھا۔

''ہم تین دن کی بریک پہ آئے ہیں اور تم اس طرح کی باتوں سے باز نہیں آئے جو مجھے غصہ دلاتی ہیں۔''

''آپ کو کون سی باتیں غصہ نہیں دلاتیں۔'' مگر اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''وعدہ کرو مجھ سے کہ کم از کم ان تین دنوں میں اب تم کوئی بدکلامی نہیں کرو گے۔'' فارس نے تابعداری سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''رئیلی سوری۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ سفر خوشگوار رہے۔ اس لیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان تین دنوں میں.....کوئی سچ نہیں بولوں گا۔''

اسے پھر سے غصہ آیا مگر ہنس دی اور سر جھٹک کر واپس چلنے لگی۔ وہ بھی مسکرا کر نیچے اترنے لگا۔ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ کندھے سے کندھا' کہنی سے کہنی۔ برابر۔ ہم قدم۔

رش بڑھ رہا تھا۔ وہ جس گلی میں اتر آئے تھے وہاں دونوں اطراف میں دکانیں تھیں۔ لوگوں کا شور' گہما گہمی عروج پہ تھی۔ کہیں سے پکوڑوں اور باربی کیو کی مہک بھی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ زمر نے شاپس کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

''ویسے تم نے مجھے کبھی گفٹ نہیں دیا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اور وہ جسے آپ میرے تیسرے سسر کے حوالے کر آئی تھیں' وہ کیا تھا؟''

''اونہوں!'' زمر نے ناک سکوڑی۔ ''تب میں تمہاری بیوی نہیں تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے کچھ لے کر دو۔ ڈھیر سارے پیسے خرچ کر کے ایک قیمتی سا گفٹ۔''

''مفت تو وہ لونگ بھی نہیں تھی۔ اس میں solitaire ڈائمنڈ تھا۔ پتہ ہے کتنے کا آتا ہے؟'' وہ جل کر بولا تھا۔

''اُف فارس!'' اس نے شدید خفگی سے اسے دیکھا۔ دونوں وادی کے بازار کے بیچ میں سڑک پہ آمنے سامنے رک کھڑے ہوئے تھے۔

''اب کیا تحفے کی قیمت بتاؤ گے؟''

''بل بھی دکھا سکتا ہوں۔''

''کتنے کنجوس ہو۔ ایک تحفہ تک نہیں لے سکتے میرے لئے۔ پہلی بیوی کو تو بہت تحفے دیتے تھے۔ ساڑھیاں' ہینڈ بیگز۔''

''اس کو شوق تھا۔''

زمر نے پلکیں جھپکا کر کھولیں۔ ''مجھے نہیں ہے کیا؟''

''تمہیں؟'' فارس ہنسا اور ناک سے مکھی اڑائی۔ ''تمہیں ساڑھیاں اور ہینڈ بیگز کون دے۔ تمہارے لئے سب سے بڑا تحفہ پتہ ہے کیا ہوگا؟ کسی وکیل کے کمپیوٹر کا ڈیٹا چرا کر دے دوتا کہ تم اسے بلیک میل کر سکو۔ کسی کے غیر قانونی پلاٹ قبضے کے خلاف ثبوت اکٹھے کر کے دو تا کہ تم اس کو جیل بھیج دو۔ تمہیں میں اس طرح کے بہت سے تحفے دے سکتا ہوں۔ چلو بتاؤ شروع کہاں سے کریں؟''

زمر نے خفگی سے اس کی کہنی پہ ہتھیلی بند کر کے ماری اور پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے آیا۔ ''یار میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔'' پھر رکا۔ آنکھوں میں چمک اتری۔ ہلکا سا مسکرایا۔ ''بلکہ میرے پاس پیسے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے ''میرے پیسے۔''

''واٹ ایور۔تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے۔''اس کے انداز پہ وہ رکی' گردن گھما کر ابرو اٹھا کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔فارس نے سر کو خم دیا۔

''مجھے؟''اس نے لب آپس میں مس کیے' اوپر نگاہیں اٹھا کر سوچا۔

''مجھے ڈائمنڈز چاہئیں۔ بہت خوبصورت اور قیمتی ڈائمنڈز۔ بلکہ ادھر مارکیٹ میں آگے جا کر بہت اچھے اچھے جیولرز ہیں۔ چلو میرے ساتھ' اور مجھے کچھ لے کر دو میں بہت خوش ہوں گی۔''

''جو حکم!''وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔(ہاں یہ خوش ہو لیں' اگلا بندہ چاہے کنگال ہو جائے۔ڈائمنڈز چاہئیں۔ ہونہہ۔)چہرے کے زاویے بگڑے بگڑے سے تھے۔

چند ثانیے دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔مختلف بولیاں اور شور سنتے رہے۔پھر وہ بولا۔''ویسے تم نے اس سب سے پہلے کبھی میرے بارے میں سوچا تھا؟ برسوں پہلے۔''

''ان باتوں کا اب کیا فائدہ فارس؟''

''بتاؤ نا۔''وہ مصر تھا۔پھر ایک دم سمجھنے والے انداز میں بولا۔''ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے یہ یاد کرنا مشکل ہوگا' کیونکہ تم فطرتاً ایک انتہائی خودغرض' سیلف سینٹرڈ' اور خود پرست لڑکی واقع ہو لیکن پھر بھی۔کبھی موقع ملا کسی دوسرے انسان کے بارے میں سوچنے کا؟''

زمر چپ رہی۔تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولی۔خاموشی سے چلتی رہی۔

''تم مجھے برے کبھی نہیں لگے۔ بلکہ میں تمہاری بہت عزت کرتی تھی۔ ہمیشہ تمہیں ہاشم سے کمپیئر کرتی تھی۔تمہاری سب کے سامنے تعریف کرتی تھی۔اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تمہارا میرے لئے پرپوزل آیا ہے تو میں کبھی انکار نہ کرتی اور سوچنے کے لئے ایک دن سے زیادہ وقت نہ لیتی۔''

''اچھا۔''وہ مسکرایا۔''مجھے نہیں پتہ تھا تم شروع سے مجھ سے محبت کرتی تھیں۔''

''ایک منٹ۔میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔''وہ غصہ ہوئی تھی۔

''مجھے تو صرف یہی سنائی دیا ہے۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہنے لگا' پھر رک کر ساتھ چلتے ایک ریڑھی بان کی ریڑھی کو دیکھنے لگا۔اس پہ رنگ برنگی ڈھیروں چیزیں رکھی تھیں۔کلپ' پنیں' جیولری۔زمر نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

''تمہیں اچھی لگی یہ فارس؟''وہ ایک انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ چونکا' پھر سنبھل کر مسکرایا۔''نہیں میں اس لئے نہیں دیکھ رہا تھا۔اور میں مذاق کر رہا تھا۔میرے پاس ہیں پیسے۔میں تمہیں کسی اچھی سی جیولری شاپ سے قیمتی ڈائمنڈز لے دوں گا۔چلو۔''

مگر وہ نہیں ہلی۔آگے بڑھ کر ریڑھی سے پلاسٹک ریپر میں لپٹی انگوٹھی اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھی۔پھر فارس کو دیکھا۔''تم مجھے یہی لے دو۔''

''مذاق اڑا رہی ہو کیا؟''وہ دبی آواز میں خفگی سے بولا۔

''اونہوں۔''وہ طمانیت سے مسکرائی۔''مجھے قیمتی زیور چاہیے تھا۔مہنگا نہیں۔اتنا تو پڑھ سکتی ہوں تمہیں کہ معلوم ہو جائے یہ اچھی لگی ہے تمہیں۔تحفوں کی قیمت نہیں دیکھی جاتی' ان کے ساتھ جڑی فیلنگز دیکھی جاتی ہیں۔فرمائشیں قیمتی چیز کی کرنی چاہیے' ضروری نہیں ہے کہ وہ مہنگی ہی ہو۔''اس نے ریپر فارس کی طرف بڑھایا۔وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر والٹ نکال کر ریڑھی بان کو ادائیگی کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ دونوں وہیں ٹھیلوں اور اسٹالز کے ساتھ کھڑے تھے اور فارس وہ نیلے پتھر والی ہیروں کی سی چمک لئے انگوٹھی اسے پہنا رہا تھا جو دو سو پچاس روپے کی تھی۔ زمر نے اسے پہن کر ہاتھ اوپر اٹھا کر دیکھا۔

سورج کی کرنوں کے نقلی ہیرے سے ٹکرانے پر اصلی روشنیاں پھوٹنے لگی تھیں۔ یوں کہ سارے پہ روشنی چھا گئی.....تیز نیلی روشنی.....

(آج)

جب وہ بجھی تو انگوٹھی زمر کی انگلی میں تھی' اور ہاتھ سے اوپر کلائی پہ سیاہ کوٹ کی آستین جھلکتی تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو وہ اس روشن سے کمرہ عدالت میں کٹہرے کے سامنے کھڑی تھی اور سعدی یوسف سے پوچھ رہی تھی۔

''قید کے دوران آپ سے کون کون ملنے آتا تھا؟''

''ہاشم کاردار' جواہرات کاردار' کرنل خاور' جس کو بعد میں میرے ساتھ قید کر دیا گیا' اس کے علاوہ چند ایک بار آبدار عبید آئی تھیں۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتا گیا۔ حاضرین میں بیٹھی آبدار سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگی۔

''میں جانتی ہوں یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگا سعدی' لیکن کیا آپ قید کے پہلے روز سے آخر روز تک کی داستان مختصراً یہاں سنانا چاہیں گے۔''

''جی بالکل یہ میرے لئے تکلیف دہ ہے۔'' سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ ''مگر اپنی کہانی کا اَن کہا یا اَن سنا رہ جانا زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بہرحال' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا' مجھے سب سے پہلے ایک ہسپتال لے جایا گیا' وہاں ایک دفعہ میں نے باتھ روم کے روشن دان کو.....''

اور ہاشم نے تپ کر نفی میں سر جھٹکا تھا۔ ''واہ۔ اب یہ انٹرویو کے نام پہ اپنی مرضی کی کہانی کانٹ چھانٹ کر کے سنائے گا۔''

سعدی کو دیکھو تو وہ کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑا کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے مگر اسے خود کو اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی.....بھوری آنکھوں میں بھورے شعلے سے جل بجھ رہے تھے۔ ہر دفعہ پلکیں جھپکنے پہ نیا منظر ابھرتا' اور ایسے تیزی سے ابھرتا کہ دیکھنے والا اندر ڈوب جائے.....دور اندر.....

(دو ماہ پہلے)

مور چال میں زمر اور فارس کی غیر موجودگی نے عجیب ویرانی کر رکھی تھی۔ حنین کو نت نئے شوق چڑھ گئے تھے۔ ہر وقت گھر کے کسی کونے میں کھڑی ہوتی گرن اٹھائے تنقیدی نگاہوں سے در و دیوار کا جائزہ لیتی نظر آ رہی ہوتی تھی۔ بلکہ نظر کہاں آتی تھی۔ وہ تو مصروف ہو گئی تھی۔ بیٹھ کر خاکے بناتی رہتی یا ہوم امپروومنٹ اور ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس دیکھتی رہتی۔ اب وہ لوگوں سے بات کم کرتی تھی' ان کے پیچھے کھڑکی دیواریں زیادہ دیکھتی تھی۔ یہاں ایسا فریم لگاؤں' یہاں ایسا تھری ڈی آرٹ ٹھونکوں۔ یہاں وال مورال ہونا چاہیے۔ یہ وہ۔

ایسے میں سعدی اپنے کمرے میں یونہی اداس سا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور سامنے والے کمرے سے ندرت کی لتاڑنے' ڈانٹنے' اور پھر رک کر سمجھانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مخاطب اسامہ تھا جو اکھڑا اکھڑا سا بیٹھا تھا۔ قد لمبا ہوا' مگر سمجھ نہیں۔ ندرت کا موقف تھا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے سیدھا گھر آئے گا ''اور اگر تمہارا کوئی دوست کبھی گھر کے دروازے تک آیا نا تو میں نے جوتا اٹھا کر اسے مار مار کر وہیں گنجا کر دینا ہے۔ یہ گھروں تک لانے والی دوستیاں ذرا پسند نہیں مجھے۔'' آگے سعدی کی مثالیں۔ اسامہ کو برا لگ رہا تھا۔ ''میں کوئی برے لڑکوں سے دوستی تو نہیں کرتا۔ اور سعدی بھائی کا زمانہ اور تھا۔ اور آپ مجھ پہ شک کیوں کرتی ہیں۔''

سعدی آرام سے اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ آوازوں کا راستہ رک گیا۔ جانتا تھا یہ مسئلے اگلے پانچ' چھے سال تک چلیں گے۔ بچوں کی آنکھوں پہ بندھی پٹی اترنے کے لئے کم از کم بھی بیس سال کی عمر کو پہنچنا ہوتا ہے۔ کھینچنے اور نوچنے یا سوراخ چھیدنے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بس دھیرے دھیرے پٹی ڈھیلی کرنی ہوتی ہے' بہت سی باتوں سے صرفِ نظر اور ڈھیر ساری توجہ۔ مگر ابھی وہ امی کو سمجھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی وہ خود سمجھنا چاہتا تھا۔ اپنا دماغ سوچوں سے خالی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی روزن کھلے' کوئی روشنی آئے۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔ یہ اس کے چھوٹے باغیچے والے گھر سے مختلف اور زیادہ خوبصورت تھی۔ مگر اجنبی لگتی تھی۔ کونے میں چند کتابوں کے اوپر قرآن مجید رکھا تھا۔ سعدی نے اسے اٹھایا اور چند لمحے اس کتاب کو ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ وہ بھاری تھی مگر دلوں کو ہلکا کر دیتی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے صفحے پلٹائے۔

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔''

''اور کہا انہوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ جب ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہم (پھر قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ بلاشبہ ہوتا رہے ہم سے یہ وعدہ۔ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے اس سے پہلے۔ نہیں ہیں یہ مگر پہلوں کی کہانیاں۔ کہہ دو کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کرنا ان پر اور نہ تنگی میں ہونا اس سے جو چالیں یہ چل رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کب ہو گا یہ وعدہ پورا اگر تم سچوں میں سے ہو۔ کہہ دو شاید کہ آ پہنچا ہو نزدیک تمہارے کچھ اس میں سے جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔''

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''اللہ تعالیٰ' میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے' بہت ویران ہے' اور اب میں امید بھی کھوتا جا رہا ہوں کہ کبھی مجھے بھی انصاف ملے گا کیا؟ دور اندر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی تو گناہگار ہوں۔ کسی پہ قتل کا الزام لگایا ہے' دو قتل بھی کیے ہیں۔ یہی تو ہاشم کے جرائم تھے۔ قتل کا الزام فارس پہ اور دو لوگوں کا قتل۔ گناہ ویسے ہی ہیں تو کیا گناہگار بھی ویسا ہی ہوں؟'' ہولے سے سر جھٹکا۔ ''پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہو گا لیکن کیا ان کے ساتھ کبھی کچھ ہو گا یا نہیں؟ کیا مجھے انصاف ملے گا اللہ؟ مجھے قیامت والے حساب سے پہلے یہاں کا حساب چاہیے۔ تاکہ کوئی تو عبرت پکڑے۔ مگر اللہ تعالیٰ' جب انسان کے باپ دادا کو سزا نہیں ملتی' والدین کو ان کی سیاہ کاریوں کے باعث کوئی نہیں پکڑتا یا خود ہمارے ماضی میں ہمارے گناہوں پہ کوئی پکڑ نہیں ہوتی' تو ہمیں لگتا ہے کہ وہ گناہ justified تھے۔ اللہ کو وہ برے نہیں لگے۔ ہم نئے گناہ کرتے جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ ایسے فتوے اور ایسی نصیحتیں پہلے بھی سن رکھیں مگر اللہ راضی ہے ہم سے۔ لیکن اللہ کی شریعت flexible تو نہیں ہے نا۔ کہ ہر کسی کے لئے الگ الگ رخ پہ مڑ جائے۔ اصول تو برابر ہیں۔ سب کے لئے۔ پھر ہم اتنے لاپرواہ کیوں ہوتے جاتے رہے ہیں؟ پھر وہ لوگ اتنے لاپرواہ کیوں ہیں؟'' اور پھر وہ چونکا۔ ''لیکن اگر میں یہ سمجھوں کہ ان کو سزا نہیں ملے گی ان کے باپ دادا کی طرح' تو یہ ''کفر'' ہے۔ امید چھوڑنا کفر ہے۔ تو پھر.....'' اس نے اچنبھے سے کلامِ مجید کے اوراق کو دیکھا۔ ''کیا میں امید رکھوں؟ کیا میں زمین میں چل پھر کر دیکھوں؟ ان تمام کیسز کو دیکھوں جن کے فیصلے آئے تھے؟ ان تمام لوگوں کا انجام دیکھوں جو عدالتی حکم کے بغیر ہی قدرتی آفات کا شکار ہوئے تھے؟ تو کیا ہمیں کبھی امید نہیں چھوڑنی چاہیے؟ میں غم کو ترک کر دوں' دل کی تنگی سے خود کو نکالوں اللہ؟ ان آیات پہ غور کرو تو میرے کرنے کا کوئی کام نہیں ہے' انصاف اور عذاب اللہ دے گا' مجھے بس وہ یہ کہتا ہے کہ غم نہ کرو۔ دل کی تنگی کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں امید لے جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی مدت شاید قریب ہو' بہت قریب۔ میں نے کچھ نہیں کرنا۔ صرف ترکِ غم کرنا ہے۔ یہ وسائل' پیسہ' تعلقات' عدالتی کارروائی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہے اور غم مجھے گھول دے گا۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے۔ اللہ

تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اپنی اپنی کشادگی کا انتظار کرتے ہم لوگ اپنے آپ کو غموں اور ڈپریشن سے نکالیں۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ تب ہی حل نظر آئے گا۔'' وہ بے خودی کے عالم میں بولتا جا رہا تھا۔ لب ہل رہے تھے آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے مگر اپنی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

(آج)

کٹہرے میں کھڑے سعدی نے بھوری آنکھیں زمر پہ جمائے گہرا سانس لیا۔ خواب سا ٹوٹا۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔

''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''میں یہ بات انٹرویو میں بھی کہہ چکا ہوں' سب جانتے ہیں کہ پھر مجھے کینڈی میں دوبارہ پکڑا گیا' مگر ہاشم کو اطلاع ابھی نہیں کی گئی تھی' یا شاید وہ پہنچا نہیں تھا۔ اگلی صبح ایک آدمی میرے پاس آیا' اور اس نے مجھے بتایا کہ چند دن بعد مجھے پاسپورٹ اور پیسے دے دیے جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ مجھے پاسپورٹ دے دیا گیا اور مجھے جانے دیا گیا۔ غالباً وہ لوگ ہاشم سے دغا کر رہے تھے۔ ہاشم کے اپنے پارٹنرز جیسے کہ ہارون عبید چاہتے تھے کہ میں آزاد ہو کر ہاشم کے خلاف بولوں۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کہا گیا تھا۔ میں پاکستان آ گیا اور یہاں آ کر اپنی ویڈیو ریلیز کر دی۔ اب چونکہ میں مشہور ہو گیا ہوں اس لئے یہ لوگ مجھے مار نہیں سکتے۔''

''آب جیکشن یور آنر!'' ہاشم نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے بے زاری سے کہا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ''کس بنیاد پہ؟ ویسے آپ اپنی باری کا انتظار کیوں نہیں کرتے؟ گواہ کو کراس کرتے وقت سب پوچھ لیجئے گا۔'' ہاشم خاموش ہو گیا۔ زمر واپس مڑی۔

''کیا پاکستان واپس آنے کے بعد آپ سے ہاشم کاردار نے کسی قسم کا رابطہ کیا؟'' سوالات' الفاظ' سب مدھم ہوتے گئے۔ کمرہء عدالت میں گونجتی ساری باتیں گڈمڈ ہو کر عجیب سا ملاپ بنانے لگیں.... یوں کہ حرف حرف الگ ہو گیا اور نئے لفظ بننے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

ہوٹل کے خوبصورت سے بیڈروم کے بیج کلر کے پردے دیوار گیر کھڑکیوں کے سامنے سے ہٹے تھے اور جالی دار سفید پردے شیشوں کے آگے لہرا رہے تھے۔ پردوں کی جالی نے منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا۔ مدھم سا دکھائی دیتا تھا کہ باہر بالکونی ہے اور نیچے دور تک پھیلے سبز پہاڑ اور ان کے بیچ بستی وادیاں۔ کھڑکی کے آگے دو آمنے سامنے رکھی کرسیاں پڑی تھیں۔ زمر اور فارس مقابل بیٹھے تھے۔ درمیان میں چھوٹی میز تھی جس پہ scrabble کا کالج کا بارڈ کھلا پڑا تھا۔ لکڑی کے ننھے ننھے چوکور ٹکڑوں پہ لکھے حروف ان دونوں کے سامنے اسٹینڈز پہ پڑے تھے۔ زمر ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی' پیر جھلا رہی تھی۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا' غور سے کی بورڈ کو دیکھتا کبھی اپنے پاس موجود حروف کو۔

''مان لو ہار۔ میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔'' زمر نے مسکراہٹ دبائے فیاضی سے کہا تھا۔ آگے کو جھکے فارس غازی نے محض ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ سے ہار مانی جائے۔ مجھے سوچنے دیں۔''

''ویسے اتنے سال تم نے جیل میں سوشل ورک کرنے کی بجائے تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو پڑھی لکھی بیوی کے سامنے شرمندہ نہ ہو رہے ہوتے۔'' وہ مسکرا کر پیر جھلا رہی تھی۔

''آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیت رہی ہیں' پڑھی لکھی' ہونہہ۔'' خفگی سے سر جھٹکا۔ پھر حروف کو دیکھنے لگا۔

''چچ چچ۔ ہر ہارنے والا یہی کہتا ہے۔''

فارس نے جواب دیے بنا چند حروف اٹھائے اور پہلے سے rise کے پیچھے لگا دیے۔ اب وہ یوں بن گیا zumarise۔ زمر ایک دم سیدھی ہوئی۔ ''یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں۔ یہ ایک لفظ ہے۔'' وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ اٹھا کر بولا۔''اور اس کا مطلب ہوتا ہے' جھوٹ کو سچ کے پردے میں لپیٹ کر پیش کرنا۔محتاط الفاظ کا چناؤ کر کے عدالت میں حلف دلوا کر گواہ سے جھوٹ بلوانا مگر کہنا' technically یہ سچ ہے۔ ہر دوسری بات پہ کسی شریف انسان کو بلیک میل کرنا اور دھمکانا۔ باتوں کی ہیر پھیر سے اپنا مطلب نکالنا' اور دھونس جمانا۔ یہ واقعی ایک لفظ ہے۔''

زمر اب آنکھیں تیکھی کر کے اسے گھور رہی تھی۔''یہ چیٹنگ ہے۔''

''نہیں زمر بی بی' یہ ڈبل ورڈ اسکور ہے جو میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔'' اب وہ قلم اٹھا کر نوٹ پیڈ پہ بنے کالمز میں سے ایک میں لکھ رہا تھا۔ زمر نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''فارس' یہ آخری دفعہ تھا' اب اگر تم نے کوئی لفظ بنایا جو ڈکشنری میں نہ ہوا تو تم ہار جاؤ گے۔''

''مجھے یقین ہے یہ ڈکشنری میں ہوگا۔ چیک کر لیں بے شک۔'' ساتھ رکھی دبیز ڈکشنری کی طرف اشارہ کیا۔ زمر ناک سکوڑ کر آگے ہوئی اور اپنی پلیٹ میں لگے حروف پہ غور کرنے لگی۔ وہ ایک محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ گھنگریالے بال کھول کر چہرے کے ایک طرف ڈالے' اس کی پلکیں پلیٹ پہ جھکی تھیں' اور بار بار حروف کو چھوتی انگلی میں انگوٹھی موجود تھی۔ اس نے چند حروف کو دیکھا جو بورڈ پہ سجے تھے' اور پھر مسکرائی۔ ان کے درمیان چند حروف گھسا دیے اور فاتحانہ نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔

Farcissism

''یہ کوئی لفظ نہیں ہے' پراسیکیوٹر صاحبہ۔'' اس کا موڈ خراب ہوا۔

''ہے نا۔'' وہ ہتھیلی پہ تھوڑی گرائے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔''اس کا مطلب ہوتا ہے ایک خاص قسم کا برتاؤ۔ اور جانتے ہو' ایسا برتاؤ کرنے والا کون ہوتا ہے؟ انتہائی اکھڑ' ریزرو' کسی پہ اعتبار نہ کرنے والا' غصیلا' بدمزاج' ہر بات چھپا کر رکھنے والا' اداکار.....''

''اور گڈ لکنگ!'' اس نے لقمہ دیا۔

''اور گڈ لکنگ' اور ہر وقت لڑنے کو تیار' گہرے راز رکھنے والا' خود کو عقلِ کل سمجھنے والا' arsonist' جیل یافتہ' بلیک میلر.....یہ سب ہوتا ہے اس کا مطلب۔'' وہ انگلیوں پہ گنواتی گئی۔

''استغفر اللہ۔ میں آپ کو ایک شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی خاتون سمجھتا تھا۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لفظ بناؤ' غازی۔ باتیں نہ بناؤ!'' اس نے چیلنج کیا۔ وہ سر جھٹک کر اگلا لفظ بنانے لگا۔ m سے اس نے mat بنایا تھا۔ زمر کی نظریں ابھی تک زمرائز کے ''زی'' پہ تھیں جس کے نیچے ڈبل ورڈ اسکور کا خانہ تھا اور ذرا نیچے ٹرپل ورڈ اسکور۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے چوکور ٹکڑے بورڈ پہ رکھے۔ زی کے اوپر نیچے حروف سجائے۔

Ghazi

''یہ چیٹنگ ہے۔ یہ لفظ ڈکشنری میں نہیں ہے' اور یہ اصول تھا کہ ہم نام نہیں بنائیں گے۔''

''دنیا تمہارے نام کے گرد نہیں گھومتی۔ یہ ڈکشنری میں ہے۔'' وہ گردن کڑا کر بولی تھی۔

''زمر بی بی اگر یہ ڈکشنری میں نہ نکلا تو؟'' اس نے ڈکشنری پہ ہاتھ رکھا۔ زمر نے جھٹ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''اگر یہ نہ نکلا تو میں ہار جاؤں گی' تم جیت جاؤں گے۔ نکل آیا تو میں جیت جاؤں گی اور تم ہارو گے۔'' فارس کے ہاتھ پہ اس کا ہاتھ تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''یہ ڈکشنری میں نہیں ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولا' کتاب کھینچی اور اسے کھولا۔ صفحے پلٹائے۔ انگلی دوڑاتا گیا۔ اوپر سے نیچے۔

''جی ایچ.....جی ایچ.....'' وہ مطلوبہ کالم تک آیا۔لبوں پہ مسکراہٹ غائب ہوئی۔چونک کر سر اٹھا کے اسے دیکھا۔وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی مسکرا رہی تھی۔ادھر صفحے پہ لکھا غازی (مسلم وار ہیرو) اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

''کہا تھا نا' تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا جیل میں تو آج کام آجاتا۔خیر' میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔'' وہ آگے کو جھکی' اور بازو لمبا کر کے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔فارس نے ''اونہوں'' اپنا چہرہ جھٹک کر پیچھے ہٹایا۔ماتھے پہ خفگی سے بل پڑ گئے تھے۔

''آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیتی ہیں۔ہر دوسری باری پہ آپ مجھے اسکریبل کا نیا اصول بتاتی ہیں جو میرے باپ دادا نے بھی نہیں سنا۔جبکہ میں پوری ایمانداری سے کھیلتا رہا ہوں۔''

''ہاں' ایک اس بات کا تو یقین ہے مجھے کہ اب تم میرے ساتھ پورے ایماندار ہو۔اور یہ بھی کہ کم از کم اب تم مجھ سے کوئی بات چھپا نہیں رہے۔'' وہ مسکرا کر سارے ٹکڑے بورڈ سے اٹھا رہی تھی۔حروف بکھر گئے۔الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس بالکل سُن سا بیٹھا رہا۔اندر تک اس کا وجود ٹھنڈا ہو گیا تھا۔جیسے کوئی انسان برف کے صحرا میں ٹھنڈ سے مر جائے۔

سفید.....نیلا.....

لمحے بھر میں وہ پیچھے چلا گیا.....

وہ ڈاکٹر قاسم کے کلینک میں بیٹھا تھا.....اور وہ کہہ رہے تھے۔

''مگر میں.....برا آدمی نہیں ہوں۔'' فارس اٹھنے لگا۔

''میں اب چلتا ہوں۔مگر یاد رکھیے گا کہ زمر کو آپ وہی کہیں گے جو میں نے آپ کو سمجھایا ہے' ورنہ میرا اسائنمنٹ آپ کو کسی بھی وقت نشانہ بنا سکتا ہے۔'' وہ موبائل جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

''کیا آپ جانتے ہیں فارس غازی کہ اس ملک میں بلکہ اس دنیا میں ہر سال ہزاروں عورتوں کو جبراً seterlize کیا جاتا ہے؟''

وہ بالکل ٹھہر گیا تھا۔بہت سے چکرا لٹے ہوئے تھے۔''سوری؟''

''امریکی جیلیں ہوں یا پاکستان کے ہسپتال' یا دیہات میں لگے فری کیمپ' یہاں زخم کسی اور شے میں ہوتا ہے' اور سرجری کے بہانے اس عورت کو seterlize (بانجھ) کر دیا جاتا ہے۔بعد میں کہا جاتا ہے کہ آپریشن کے دوران یہ ناگزیر تھا۔بعض عورتوں کے رشتے دار بھی یہ کام کرواتے ہیں۔صرف ایک ڈاکٹر ڈھونڈو' اسے پیسے دو اور یہ ہو جاتا ہے۔''

وہ بالکل سُن رہ گیا تھا۔''کاردارز نے پیسے دیے تھے اس کی غلط سرجری کرنے کے لئے؟ وہ ان گولیوں کی وجہ سے ایسی نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کو بعد میں یہ نقصان پہنچایا گیا تھا۔'' وہ سفید پڑ رہا تھا۔متحیر بے یقین۔

''مسز کاردار چاہتی تھیں کہ وہ شادی نہ کر سکے تاکہ وہ ایک مضبوط گواہ کے طور پہ آپ کو جیل بھیج دے۔اس کے گردے واقعی گولیوں کی وجہ سے خراب ہوئے تھے مگر اس سرجری کے لئے ڈاکٹرز کے پینل کو مسز کاردار نے خریدا۔اس کے بعد بھی مسز زمر صرف ان ڈاکٹرز کے پاس گئیں جن کی طرف ہم ان کو ریفر کرتے تھے۔مسز کاردار چاہتی تھیں کہ ہم ان کو بالکل تباہ کر کے.....''

ڈاکٹر قاسم اپنی بات مکمل نہیں کر سکے تھے۔وہ کسی بھوکے شیر کی طرح ان پہ جھپٹا تھا۔گریبان سے پکڑ کر زمین پہ گرایا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ دھند سی چھا گئی۔وہ دیوانہ وار اس کو مار رہا تھا' پیٹ رہا تھا' جس کا کتنا خون نکلا' کون سی ہڈی ٹوٹی' کتنے دانت خون میں لتھڑ کر باہر گرے' اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔مگر اس سرخ دھند میں اس نے اس کی دبی دبی سی کراہ سنی۔

''میری پوری بات سنو۔مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔میں برا آدمی نہیں ہوں۔میری بھی ایک بیٹی ہے۔میں نے صرف رپورٹس

میں ادل بدل کیا تھا۔ مسز کاردار کو نہیں معلوم۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔'' وہ خون آلود منہ اور اکھڑی سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ ''میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اب یہ بات کھل جائے گی۔ وہ ٹھیک ہے وہ ماں بن سکتی ہے۔ ہاں..... مشکل سے ہوگا۔ اس کے گردوں کی وجہ سے کافی مشکل ہوگا۔ مگر ممکن ہے۔ بہت زیادہ ممکن ہے۔ میں نے صرف رپورٹس اور دوائیاں بدلی تھیں' اور.....''

وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے سفید سوئیٹر پہ خون لگ گیا تھا.... سرخ تازہ خون.....

فارس نے زمر کو دیکھا جو اسکریبل کے نئے ٹکڑے سجا رہی تھی اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتے گئے۔ جڑ جڑ کر ٹوٹتے گئے.....

(آج)

''سعدی یوسف' کیا آپ کی ہاشم کاردار سے پاکستان آنے کے بعد اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں کوئی ملاقات ہوئی ہے؟'' زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑے سعدی نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پرانے دنوں کے بہت سے سایے لہرائے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ہاشم ہلکے سے مسکرایا۔ بس ایک ثانیے کو اس نے آنکھیں بند کیں تو اندھیرا چھا گیا۔

(دو ماہ پہلے)

نیم اندھیر کلب میں لاؤنج کی طرح کی جگہ بنی تھی۔ مدھم رنگ برنگی بتیاں سارے میں محوِ رقص تھیں۔ کچھ بھی صاف نظر نہ آتا تھا۔ بڑے صوفے پہ ارد گرد کھاتے پیتے ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز ہاشم کاردار ڈنر جیکٹ میں ملبوس' موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ٹائی ندارد۔ کالر کا اوپری بٹن کھلا تھا۔ وہ آرام دہ سا بیٹھا تھا۔ پسِ منظر میں بجتی موسیقی اعصاب کو سکون دے رہی تھی۔ ایسے میں کوئی اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ وہ اپنی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ ہلا تک نہیں۔ نظر بھی نہیں اٹھائی۔ بس اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ ''قانوناً تم اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں مجھ سے نہیں مل سکتے۔ تم سے کورٹ میں اس بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ سعدی یوسف!''

''میں یہاں سے گزر رہا تھا' تو ادھر آ گیا۔ اور اب یہاں ایک پبلک پلیس میں بیٹھا ہوں۔ اتفاق سے تم میرے ساتھ بیٹھے ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہوا؟'' ہاشم نے اب کے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سیاہ آدھی سٹین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اب اس نے گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

وہ آنکھیں اندر تک زخمی تھیں۔ مگر ان زخموں کے کھرنڈ لگتا تھا بننے لگ گئے ہیں۔

''کہو۔ کیا چاہتے ہو؟'' ہاشم نے فون رکھ دیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کبھی سوچا تھا تم نے ہاشم' کولمبو کے اس تہہ خانے میں جب ہم ملتے تھے' کبھی وہاں بیٹھے سوچا تھا کہ ایک روز ہم یوں بھی ملیں گے؟''

''اگر تو تم مجھ سے کوئی اعترافِ جرم کروانا چاہتے ہو تو.....''

''وہ میں کروا چکا ہوں۔ وہی دکھانے آیا ہوں۔ میں تمہارے آفس 21 مئی کو اسی لئے آیا تھا۔'' اس نے موبائل اسکرین پہ ویڈیو پلے کی اور موبائل ہاشم کو دے دیا۔ اندھیرے کمرے میں اتنے رش اور شور کے باوجود بھی وہ اس ویڈیو میں چلتی آواز صاف سن سکتا تھا۔ اسکرین پہ وہ پاور سیٹ پہ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہ بولے جا رہا تھا۔ بہت سے اعترافِ جرم۔ HD کوالٹی ویڈیو۔ صاف آواز۔

ہاشم کاردار کی گردن پہ پسینہ آنے لگا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا ٹائی ڈھیلے کرنے کو گریبان تک ہاتھ لے کر گیا مگر ٹائی تو گردن کو

کسے ہی نہیں ہوئے تھی۔ پھر؟

''تم اسے کورٹ میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سونی کی آنکھیں نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔

''مگر میں اسے یوٹیوب پہ لیک تو کر سکتا ہوں۔ ایڈٹ کر کے۔ دیکھو نا' تمہارا اعترافِ جرم کتنا دلچسپ ہے۔ juicy اور سنسنی خیز۔ میڈیا کتنے ہی دن اس کو چلائے گا۔'' وہ اب مزے سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ''اور پھر میں اس ویڈیو کو سونیا کے ٹیب پہ اپ لوڈ کر دوں گا۔ تم وہاں سے مٹاؤ گے تو میں سونیا کے ہر کلاس فیلو کے فونز اور ٹیب پہ اسے بھیج دوں گا۔ میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو دیکھ لے' اس کو زبانی رٹ لے۔ وہ اس ویڈیو کے ساتھ بڑی ہوگی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جائے' یہ ویڈیو اسے ڈھونڈ لے گی۔ وہ اس سے کبھی بھاگ نہیں سکے گی۔ اور وہ جتنی دفعہ اسے دیکھے گی' تم پہ بے یقینی اور اس ویڈیو پہ یقین بڑھتا جائے گا۔ وہ اگلے دس سال تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔'' وہ اس کے ساتھ بیٹھا' گردن موڑ کر اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرد تھیں' مسکراہٹ بھی سرد تھی' اور ہاشم کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ وہ کوئلے جیسی رات میں سونے کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہاری بیٹی کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو give اَپ کر دوں گا۔ اپنی زبان دیتا ہوں۔ نہ عدالت میں استعمال کروں گا۔ نہ انٹرنیٹ پہ ڈالوں گا۔ تم میری اور سونیا کی ویڈیو گو اَپ کر دو' جس میں میں نے اسے اغوا کیا تھا۔ ہم دونوں اپنے سب سے بڑے ثبوت گنوا کر آؤ نہتے اس میدان میں لڑتے ہیں۔ اپنی زبانوں' اپنے سچ اور جھوٹ کے ساتھ۔ تم اپنی دلیلیں دو' میں اپنی دوں گا۔ آؤ اس کیس کو ختم کرتے ہیں مگر لڑ کر۔ بھاگ کر نہیں۔''

ہاشم کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کبھی بے چینی سے۔ کبھی ترحم سے۔

''مجھے تمہیں عدالت میں ذلیل کرنا ہوگا۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک دفعہ تمہاری زندگی برباد کر چکا ہوں۔ دوبارہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم شاید یقین نہ کرو لیکن تم مجھے سونی اور شیرو اور ممی اور آبی کی طرح اب بھی اتنے ہی عزیز ہو۔'' سعدی کے لبوں پہ زخمی سی مسکراہٹ گویا بلبلائی تھی۔

''عزت اور ذلت وکیلوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ چاہے تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے چاہے تو سب بگڑ سکتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں رہنے دو عزت کو۔ اور تمہیں جو کرنا پڑے تم کرو۔''

''مجھے ہر حد تک جانا ہوگا۔ سب سے پہلے تم گواہی کے لئے پیش ہو گے۔ میں ایک فقرے میں تمہیں تباہ کر دوں گا۔ میں جیت جاؤں گا' سعدی۔ میں کیس سے نہیں ڈرتا۔''

''تمہیں جس حد تک جانا ہے' تم جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ مگر اس کیس کو لڑو۔ ایک اسپیڈی ٹرائل لڑو تا کہ چند ماہ میں فیصلہ آ جائے۔ آر یا پار۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم اسے دیکھے گیا۔ پھر اس نے چہرہ واپس موڑ لیا۔ سامنے دیکھنے لگا۔ سعدی موبائل جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟'' سعدی یوسف کے قدم زنجیر ہوئے اس نے چہرہ موڑا۔

''ہاشم!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''یہ کیس میں تمہارے خلاف نہیں لڑ رہا۔ یہ میرے اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ اور وہ مجھ سے معافی مانگے بھی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ سی یو اِن کورٹ!'' وہ اب دور جا رہا تھا۔ نیم اندھیرے میں وہ گم ہو گیا تھا۔

ہاشم کاردار نے موبائل اسکرین روشن کی۔فوٹو گیلری کھولی۔اس نوٹ کی تصویر نکالی جو اس نے چند دن پہلے لے کر محفوظ کر لی تھی۔ اس پہ لکھا نمبرز زبانی ازبر کیا' اور پھر ٹوئٹر کھولا۔

''ہرحد!'' اس نے تازہ ٹویٹ میں وہ نمبر ''گڈ ایوننگ پاکستان!'' لکھ کر آگے ڈالا' اور ٹویٹ پبلک کر دی۔ابھی اس نے موبائل واپس رکھا ہی تھا کہ وہ تھرتھرایا۔ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔

''اپنے کمرے کی سنگھار میز کی سب سے نچلی دراز کھولو۔سعدی یوسف کا پاسپورٹ.....مکمل پاسپورٹ تمہیں وہیں ملے گا۔'' ہاشم والٹ اور چابیاں اٹھا کر تیزی سے باہر کو لپکا تھا۔

(آج)

''مجھے یاد نہیں۔'' سعدی یوسف ایک اور سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔سب حاضرین تماشائیوں کی طرح خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ان میں حنین بھی بیٹھی جو مسلسل دانت سے ناخن کتر رہی تھی۔سوچتی نظریں زمر پہ تھیں جو سعدی سے سوال در سوال پوچھ رہی تھی۔

اس کی ناک کی لونگ سونے کی بنی تھی اور پچھلی لونگ سے ذرا مختلف تھی۔مگر ہیرا ہو بہو تھا۔حنہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی.....اور اسے یوں لگا گویا اردگرد پتھروں کی پتیاں بکھر گئی ہوں۔خوشبو سی خوشبو تھی۔

(دو ماہ پہلے)

زمر اپنے کمرے سے نکلی تو حنین سامنے کھڑی تھی۔بالوں کو جوڑے میں لپیٹ کر گول مول باندھتی زمر نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ اور چال میں صبح کی مخصوص گہما گہمی تھی۔کچن سے سیم اور سعدی کی آوازیں آ رہی تھیں' مگر حنین یہاں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''جنید کو خالی ڈبی کچن کے فرش پہ ملی تو اس نے پورا کچن چھان مارا۔کچرے کی ٹوکری سے آپ کی لونگ ملی۔سونا ذرا پگھل چکا تھا۔ میں آپ کے پیچھے.....'' اس نے کمر پہ کیا ہاتھ سامنے کیا تو اس پہ سفید مخملیں ڈبی رکھی تھی۔''اس کو جیولر پہ لے کر گئی۔اس نے ڈائمنڈ کو نکال کر نئی لونگ میں جڑ دیا۔یہ وہی لونگ ہے' اور وہ نہیں بھی ہے۔اندر وہی ہے' مگر بیرونی سانچہ فرق ہے' احساس وہی ہے' مگر گلٹ اور بوجھ جیسی ناانشوں سے پاک ہے۔میں نیا ڈائمنڈ نہیں لینا چاہتی تھی۔کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا زمر!'' مسکرا کر اس نے وہ ہیرا پیش کیا۔زمر کے ہاتھوں نے جوڑے کو چھوڑ دیا۔بال پھسل کر نیچے بہتے گئے۔وہ متحیر سی اس ڈبی کو کھول کر دیکھ رہی تھی.....

ادھر کچن میں سیم سعدی سے ناخوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''آپ کو وہ ویڈیو ان کے خلاف استعمال کرنی چاہیے تھی۔''

''یہ میرا طریقہ ہے اسے استعمال کرنے کا ہاشم کے خلاف۔یقین کرو سیم' ہم اس کو ویسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ہر گیند کھیلنے والی نہیں ہوتی۔کسی کسی گیند کو روکنا بھی ہوتا ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہا تھا۔اسامہ مسکرا دیا۔

''انسان کو کوئی چیز نہیں ہرا سکتی جب تک کہ وہ خود ہار نہ مان لے۔''

سعدی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔''یہ کس کا ڈائیلاگ ہے۔''

''عمران خان کا ہے بھائی!'' اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا تھا۔وہ ان سب کی آوازوں سے بے نیاز اپنی سنگھار میز کے سامنے کھڑی' اس لونگ کو اپنی مغرور ناک میں سجا دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔لبوں پہ مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔باتھ روم کا دروازہ کھلا اور فارس باہر نکلا تو وہ اس کی طرف گھومی اور شانے اچکائے۔فارس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

''وہی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔اس نے کچھ نہیں کہا۔اس کے چہرے سے ہی سب ظاہر تھا۔وہ مبہوت ہوا تھا۔گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح نظر آئی تھی۔آنکھوں میں ایک چمک بھی اتری تھی جو شاید زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔محض تائید میں سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ان تاثرات کے لیے وہ جان بھی دے سکتی تھی۔اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔مسکرا کر وہ بال برش کرنے لگی تھی۔

(آج)

''your witness'' زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی۔دو لفظوں میں ہاشم کو اشارہ کیا۔اب گواہ ہاشم کا ردار کا تھا۔ وہ جیسے چاہے اس کو کراس کرے۔(جرح کرے۔)

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتا' دو کاغذ ہاتھ میں لئے قدم قدم چلتا آگے آیا۔سب ہنوز خاموش تھے۔سب کی نظریں ہاشم پہ جمی تھیں۔پر سکون کھڑے سعدی کی بھی۔

سامنے آکر ہاشم مسکرایا۔دونوں پرنٹ آؤٹ سعدی یوسف کے سامنے لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔

❖❖❖

باب26:

فرزندِ نازنین!

ایک دفعہ ایک کشتی میں
سوار ہوا ایک بادشاہ'
ساتھ ایک عجمی غلام کے۔
اور غلام نے نہ دیکھا تھا کبھی دریا'
اور نہ کبھی اٹھائی تھی کشتی کی تکلیف۔
لگا وہ رونے دھونے'
اور کانپنے لگا اس کا بدن۔
کرکرا ہو گیا اس سے بادشاہ کا سارا مزہ'
کہ نہیں سہہ سکتی تھی اس کی نازک طبع ایسی باتوں کو۔
لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی کوئی تدبیر۔
تھا اس کشتی میں ایک عقلمند بھی۔
بولا وہ بادشاہ سے' اگر ہو حکم.....
تو خاموش کراؤں اس کو ایک طریقے سے؟
کہا بادشاہ نے، بڑی مہربانی ہوگی۔
سو مطابق اس دانا آدمی کے حکم کے'
لوگوں نے پھینکا غلام کو دریا میں۔
کھائے غلام نے چند غوطے۔
پھر پکڑا لوگوں نے اس کو سر کے بالوں سے۔
اور لائے کشتی کے آگے۔
وہ غلام لٹک گیا دونوں ہاتھوں سے کشتی کے دنبالے میں
پھر جب نکلا دریا سے تو ایک گوشے میں

بیٹھ گیا اور اس کو سکون ہو گیا۔
ہوا بادشاہ کو تعجب' پوچھا اس نے۔
کیا تھی دانائی اس عمل میں؟
جواب دیا عقلمند نے کہ
غلام نے اس سے پہلے نہ اٹھائی تھی
تکلیف ڈوبنے کی۔
اور وہ ناواقف تھا
کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر سے۔
آرام کی قدر وہی کرتا ہے
جو پھنس جائے کسی مصیبت میں۔
اے پیٹ بھرے تجھے اچھی معلوم نہیں ہوتی
جو کی روٹی۔
جو چیز تجھے بری معلوم ہوتی ہے وہ ہی میرے لئے بھلی ہے
بہشت کی حوروں کے لئے
اعراف دوزخ ہے۔
دوزخیوں سے پوچھ'
کہ اعراف بہشت ہے!

(ایک رائے کے مطابق اعراف جنت اور جہنم کے اس درمیانی مقام کو کہا جاتا ہے جہاں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہو جائیں گی۔)

(حکایتِ سعدی از کتاب گلستانِ سعدی)

آسمان پہ سورج سنہرے تاروں کا جال بن کر سب کے سروں پہ تانے کھڑا تھا۔ مور چال کی سبز بیلیں اس دھوپ میں جھلس رہی تھیں۔ حالانکہ ابھی صبح بھی پوری طرح باسی نہیں ہوئی تھی۔ کچن کی کھڑکی سے جھانکو تو بلائنڈز کے پینلز سے گول میز دکھائی دیتی تھی جس کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سیاہ کوٹ پہنے' گھنگریالے بال آدھے باندھے' چائے کے گھونٹ بھرتی غور سے سعدی کو دیکھ رہی تھی جو قدرے گم صم سا بیٹھا تھا۔ گہرے سبز کرتے میں ملبوس گیلے بال برش کیے' وہ تازہ دم اور تیار تھا' البتہ آنکھیں اداس تھیں۔ غائب دماغی سے کپ کے منہ پہ انگلی دائرے میں پھیر رہا تھا۔ زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ ''سعدی!'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''آج تم کٹہرے میں کھڑے ہو گے اور تم سے جرح کی جائے گی۔ تم نروس ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ موقع آنا تھا' جب تم نے اس عدالتی جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا میں نے تب ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ موقع آئے گا۔ تمہیں کٹہرے میں جانا ہو گا۔ پہلے میں تم سے سوال کروں گی' پھر وہ تم سے جرح کرے گا۔ تم خود کو کیسے پریزینٹ کرتے ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں۔اور میں ٹھیک ہی رہوں گا۔'' وہ ذرا سا مسکرایا۔

''کوئی بھی سوال جس کا جواب مشکل لگے تو کہنا' مجھے یاد نہیں۔جس سوال کے جواب میں سچ نہ بولنا ہو تو کہنا' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا.....اور پھر انٹرویو والی لائن دہرا دینا۔''

''یہ غلط بیانی تو ہوگی نا۔پتہ نہیں مجھ میں اور ہاشم میں کیا فرق رہ جائے گا جب ہم دونوں جھوٹ بولیں گے؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''محتاط الفاظ کا چناؤ جھوٹ بولنا نہیں ہوتا قانون میں۔اور ہمیں ایک پورے معاشرے کو ایسے لوگوں سے پاک کرنے کے لئے ان چھوٹے موٹے Lesser Evils کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔''

''صحیح! خود کو بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔خیر۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔''اور اگر اس نے مجھ سے کچھ ایسا پوچھا ہو.....جو میں نے آپ کو بھی نہ بتایا ہو' تب؟''

زمر چند لمحے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔''تم نے مجھے کیا نہیں بتایا؟''

سعدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے۔''مجھے یاد نہیں۔'' اور وہ دونوں ہنس پڑے۔مگر وہ ذرا فکر مند ہو گئی تھی۔

''وکیل سے کچھ نہیں چھپاتے سعدی! مجھے بتاؤ۔''

وہ آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کپ رکھ کر بولا۔''جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' مجھے یاد نہیں۔''

''اگر تم سے کچھ ایسا ہوا ہے جو جرم کے زمرے میں آتا ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو۔''

''میں نہیں بتانا چاہتا۔لیکن اگر اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے کیا کہنا چاہیے؟''

''سچ بولنا۔بالکل سچ۔'' وہ تاکید کر کے اٹھ گئی۔

جب وہ بیگ اور فون لئے لاؤنج میں آئی تو سامنے کھلتے ندرت کے کمرے میں کھڑی حنین تیار ہوتی نظر آ رہی تھی۔فارس بھی قریب میں ندرت کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا تھا۔زمر چوکھٹ پہ ٹھہری تو حنین نے اسے دیکھا۔فوراً بولی۔''میں آج بھی کورٹ جاؤں گی' پلیز کوئی منع نہیں کرے گا۔جب آپ وہ جعلی ای میل دکھائیں گی تو مجھے ہاشم کا چہرہ دیکھنا ہے۔'' اور وہ جانتی تھی وہ اس موقع پہ اپنے ہاتھ پہ کیا لکھ کر اسے دکھائے گی۔سوچ کر ہی مزا آتا تھا۔سوچ کر ہی تکلیف ہوتی تھی۔

''ہاں آ جاؤ۔'' پھر فارس کو دیکھا۔''تم نہیں آؤ گے۔''

''موڈ نہیں ہے۔'' اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

زمر نے گہری سانس لی۔''پتہ نہیں تم کب اس ٹرائل کو سنجیدہ لو گے۔''

''جس دن تم لوگ یہ ٹرائل ہار جاؤ گے!'' وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔زمر ہونہہ کر کے باہر نکل گئی۔ندرت نے خفگی سے اسے دیکھا۔''منہ سے بدفال نہ نکالا کرو۔کیوں ہاریں وہ مقدمہ؟ دعا کیا کرو کہ جیت جائیں۔''

''ہاں جی! بالکل۔ایسا ہی ہوگا۔'' وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ندرت اٹھ گئیں تو بال برش کرتی حنین اس کی طرف گھومی۔وہ پیر بیڈ پہ رکھے نیم دراز سا' آنکھیں چھت پہ مرکوز کیے کسی سوچ میں لگتا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ ہم ہاشم کو عدالت میں کبھی مات نہیں دے سکتے؟'' فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے لگتا نہیں ہے' مجھے یقین ہے۔یہ جو کورٹ میں سارے جج بیٹھے ہوتے ہیں نا' یہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ کون سچا ہے۔اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون زیادہ اچھا جھوٹ بولتا ہے۔''

''مگر بجائے ان کی مخالفت کرنے' ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔''

''تم کرو۔ میں دیر سے آؤں گا۔'' اس نے سر جھٹکا۔ باہر کورٹ جانے کی تیاری کا شور مچ چکا تھا۔

❖❖❖

اتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے ..... اپنے ہی شہر کا ہر شخص عدو میرا ہے

قصرِ کاردار کا لان اس صبح بارونق لگ رہا تھا۔ ملازموں کی آمدورفت لگی ہوئی تھی۔ شہرین گھوم پھر کر ایونٹ آرگنائزر کو سمجھا رہی تھی۔ اسے کون سی چیز کہاں چاہیے۔ اس کے سنہری بال پچھلے سال کی بہ نسبت لمبے ہو گئے تھے اور اونچی پونی کی صورت گردن کی پشت پہ جھول رہے تھے۔ ماتھے پہ بل لئے اور ناک چڑھائے' وہ سونیا کی سالگرہ کی دعوت کے تمام انتظامات دیکھ رہی تھی۔

اندر ڈائننگ ہال میں بیٹھی جواہرات چمچ دلیے کے پیالے میں ہلاتی مسکراتی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اک فاتحانہ نظر اپنے مقابل بیٹھے نوشیرواں پہ ڈالی (ہاشم اب سربراہی کرسی پہ بیٹھتا تھا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں۔) نوشیرواں سوٹ میں ملبوس' بے دلی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جواہرات کو پچھلے برس کے یہ دن یاد آئے۔ تب شہری کے لئے کیسے وہ بے چین رہتا تھا۔ شکر یہ بھوت تو اترا۔

''تو آج سعدی یوسف کٹہرے پہ آئے گا اور اس سے جرح کی جائے گی۔'' اس نے سعدی کا ذکر چھیڑا۔ آج بھی نوشیرواں کا ملق تک کڑوا ہوا مگر وہ اظہار نہیں کر سکا۔ آج اسے گولی مارنے کی خواہش بھی نہیں ہوئی۔ گولی مار کے دیکھ لی تھی۔ کوئی فائدہ نہ تھا۔

''ہاں' آج ہم حکایتِ سعدی سنیں گے۔'' ہاشم نے طنزاً کہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ جھوٹ نہیں بولے گا؟''

''وہ سعدی ہے۔ وہ اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بولے گا۔'' ہاشم فون دیکھتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ ''اور اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ ڈائننگ ہال عبور کر کے لاؤنج تک آیا تھا جب سامنے سے رئیس آتا دکھائی دیا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر ہاشم رک گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کرسی پہ بیٹھے' لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر کام کرتے احمر شفیع کی حسیات بھی ادھر ہی متوجہ ہو گئیں۔

''سر' یہ دیکھیں۔ یہ کولمبو سے ہماری ٹیم کو ملا ہے۔'' ہاشم نے کاغذ پکڑتے ہوئے جیب سے عینک نکالی۔ ''کیا ہے یہ؟''

''فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ گواہوں کے مطابق وہ سعدی یوسف کو قتل کرنے گیا تھا۔ مگر سعدی نے اسے مار ڈالا۔ فصیح اب صرف غائب نہیں ہے' وہ مر چکا ہے۔''

رئیس کی آواز نے جہاں ہاشم کو چونکایا وہاں دلیہ مزے اور اطمینان سے کھاتی جواہرات کے ہاتھوں سے چمچ پھسلا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔ نوشیرواں بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''دِس از گڈ!'' ہاشم دلچسپی سے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن فصیح کو اسے زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا' اس نے اسے مارنے کی کوشش کیوں کی؟''

''ہارون صاحب سے بات کی ہے۔ وہ خود شاکڈ ہیں۔ فصیح ان کا دایاں ہاتھ تھا۔ وہ کبھی بھی اس کو موت کی طرف نہیں دھکیلیں گے۔''

''پھر فصیح کیوں مارنا چاہتا تھا سعدی کو؟ سیلف ڈیفینس کے علاوہ تو سعدی اسے کبھی قتل نہیں کرے گا۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پڑھتا سوچتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کوئی ٹھوس ثبوت ہے کہ فصیح کو سعدی نے ہی مارا ہے؟''

''کافی شاپ کی مالکن نے بتایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکلا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں بھی فصیح اس کو یرغمال بنا کر آگے لے جاتا دکھائی دیا تھا۔ مگر بعد میں سعدی زندہ سلامت واپس آ گیا اور فصیح کی مسخ شدہ لاش کھائی سے ملی۔'' احمر چہرہ اٹھائے ہکا بکا سا دیکھ رہا تھا۔

دور بیٹھی جواہرات بے اختیار اپنی گردن کی پشت ہاتھ سے دبانے لگی۔ پھر اس نے سیل اٹھایا اور آبدار کو میسج لکھا۔ ''مجھے میری امانت آج رات تک مل جانی چاہیے۔''

ہوا کے دوش پہ وہ پیغام اڑتا ہوا.... پہاڑ.... جھیل.... سرسبز میدان عبور کرتا.... ہارون عبید کی رہائش گاہ کی دیواروں کے پار گھسا اور آبدار کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے موبائل کو چمکا گیا۔

تھرتھراہٹ سے اس نے لحاف ہٹایا۔ سرخ سلکی بال تکیے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ان کو چہرے سے ہٹاتی اٹھی اور موبائل ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی۔ پیغام پڑھ کر اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جیسے توجہ ہی نہ دی ہو۔ عادتاً کونٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اور عادتاً فارس کے نام پہ کلک کیا۔ اس کا last seen دیکھا۔ اندازہ لگایا کہ وہ اب کیا کر رہا ہوگا اور مسکرا کر فون رکھنے لگی۔ یکدم ایک خیال آیا۔ بلی سی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لب دانتوں میں دبائے اس نے پیغام لکھا۔

''یاد ہے فارس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ملکہ نے دونوں قیدیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ اگر چاہیے تو آج رات پہ میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' اور پیغام بھیج دیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اب تو وہ ضرور آئے گا۔ اسے یقین تھا۔

.....❖❖❖.....

میں اپنے روٹھے ہوئے قبیلے کی سازشوں میں گھرا ہوا ہوں ..... تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے نہ رہنا

کورٹ روم میں اواخر اپریل کی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ سعدی یوسف کٹہرے میں کھڑا تھا اور زمراس کے سامنے تھی.... چند قدم نیچے.... اس سے سوالات پوچھ رہی تھی۔

''پلیز ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتائیے۔''

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔''

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟'' وہ سنجیدگی سے رسمی کارروائی دہرا رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ رکھی احمر کی کرسی خالی تھی۔

باہر کچہری کے ہجوم میں ایک راہداری میں احمر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تیز تیز۔ ہجوم میں بالکل گم۔ احتیاط سے آگے پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ پھر تیزی سے ایک موڑ مڑ کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک خالی کورٹ روم تھا۔ کرسیاں اور میزیں الٹی سیدھی پڑی تھیں۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور پھولے سانس کے ساتھ واپس گھوما۔ سامنے ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے فارس بیٹھا تھا۔ منہ میں مسلسل کچھ چبا رہا تھا۔ سر سے پیر تک ہانپتے ہوئے احمر کا جائزہ لیا۔

''اتنی کیا ایمرجنسی تھی اسٹپنی؟ تمہارے مالک آس پاس ہی ہیں۔''

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ بلکہ دو مسئلے۔'' وہ کرسی کو فارس کے سامنے رکھتا اس پہ بیٹھا اور آگے کو جھک کر ہاتھ باہم پھنسائے پریشانی سے بتانے لگا۔

''کیا ہوا ہے؟'' فارس نے گہری سانس لی۔

''ہاشم کے پاس عدالت میں پیش کرنے کے لئے خطرناک مواد ہے۔''

فارس نے ہاتھ جھلا کر گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ ''عدالت کی پرواہ کسے ہے؟''

''غازی تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔ ہاشم کے پاس ثبوت ہے کہ سعدی نے دو قتل کیے ہیں۔ اور کچھ دیر بعد وہ عدالت میں سعدی سے یہ بات پوچھے گا۔''

فارس کا مسلسل ہلتا منہ رکا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''دو قتل؟'' اسے دھچکا لگا تھا۔

''ہارون عبید کے ملازم فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ عینی شاہدین نے سعدی کو اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے سعدی نے مارا ہے۔''

''ایسا نہیں..... ہو سکتا۔'' وہ شدتِ حیرت سے ہکلایا۔

''ایسا ہو چکا ہے۔ تم لوگوں کو سعدی کو یہ بات بتانی ہوگی تاکہ وہ ذہنی طور پہ تیار رہے۔''

''دو قتل!'' وہ اب بھی بے یقینی سے دہرا رہا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔ مجھے اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

''اور تم نے اسے مشورہ دیا تھا افغانستان کے راستے سے ملک میں آنے کا؟''

فارس بالکل ساکن رہ گیا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

کسی نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو بھیجا ہے۔ اس پہ سعدی کا نام حیدر ہمایوں خان ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کے راستے سے آیا ہے واپس۔''

فارس بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ سعدی اپنا پاسپورٹ ڈسپوز آف کر چکا ہے۔''

''کسی نے اس کے پاسپورٹ کے ٹکڑے جمع کر کے ہاشم کو بھیج دیے ہیں۔ افغانستان کے ذریعے آنے کا فیصلہ درست تھا' لیکن اب یہ چیز اس کو دہشت گرد بھی ثابت کر سکتی ہے۔ تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ ''سعدی کا پاسپورٹ ان کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ سعدی نے خود مجھے بتایا ہے کہ وہ اسے ختم کر چکا ہے۔ سعدی ایسا غیر ذمے دار نہیں ہے۔''

''مگر اب ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے خود وہ پھٹا ہوا پاسپورٹ دیکھا ہے۔ اور ہاشم نے مجھے اس کا میسج دکھا کر اسے ٹریس کرنے کا کہا مگر میں نہیں کر سکا۔ اس شخص کا نمبر مکمل طور پہ انکرپٹڈ ہے تمہیں اب کچھ کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی ہے جو اسے سعدی کے بارے میں معلومات دے رہا ہے۔ اور یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ناگواری سے اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ اسے جیسے برا لگا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو ہمارے ساتھ یوں دھوکہ کرے۔''

''سب کے قریب دھوکے باز ہوتے ہیں۔ میں بھی تو ہاشم سے اس وقت دھوکہ ہی کر رہا ہوں نا۔''

''نہیں۔'' اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ شدید ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی نہیں ہے۔ یہ ہاشم کا کوئی بندہ ہے۔''

''مسز زمر نے مجھے بتایا تھا کہ دو ماہ پہلے تمہاری بھانجی کے کمرے سے وہ میموری کارڈ چوری ہو گیا تھا جس میں میرا اعمال نامہ موجود ہے۔''

''وہ یقیناً کاردارز کا بھیجا ہوا کوئی بندہ ہوگا۔ میں نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن میں نہیں مان سکتا کہ ہمارے گھر میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے۔''

''ہاں ہو سکتا ہے یہ باہر کا کوئی بندہ ہو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اسے کیسے پتہ چلا ہوگا کہ کارڈ تمہاری بھانجی نے کہاں رکھا ہے۔'' امر نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''حنین نے کارڈ کی فائلز دیکھتے ہی مجھے کال کی تھی۔ کاردارز کے علاوہ بھی یقیناً کوئی تمہارے فون ٹیپ کر رہا ہوگا

اس کال کے بعد ہوسکتا ہے کہ اس شخص نے حنین کے لیپ ٹاپ کو rat کر کے اس کا ویب کیمرہ آن کرلیا ہو۔ آج کل یہ بہت آسان ہے۔ اور اس نے دیکھ لیا ہو کہ حنین اپنے کمرے میں وہ کارڈ کہاں رکھ رہی ہے۔''

اب کے فارس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کہیں یہ سب تم تو نہیں کر رہے۔'' پھر سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''حنین نے کہا تھا اس سرخ مفلر والے آدمی کا قد چھوٹا تھا۔''

''اللہ کو مانو۔ مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' احمر برا مان گیا تھا۔ ''اور اگر میں یہ کرتا تو پھر اپنی جان پہ کھیل کر تمہیں آگاہ کرنے کیوں آتا؟ سعدی کہتا ہے کہ اس کی یو ایس بی کی فائلز ڈیلیٹ کر دی گئیں' اب اس میں صرف فروزن پڑی ہے۔ سعدی کا ائیر پورٹ سے پیچھا کیا جاتا ہے اور اس کا پاسپورٹ چوری کیا جاتا ہے۔ حنین کے کمرے سے ایک کارڈ چوری ہو جاتا ہے۔ غازی' یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔'' وہ پر یقین تھا۔

فارس کے کان سرخ ہو گئے اور وہ شدید بے بس اور غصے میں نظر آ رہا تھا۔ ''وہ جو بھی ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا اور میں واقعی اس کی جان لے لوں گا۔''

''اور کیس کا کیا کرو گے؟ نوشیرواں کو سزا دلوانی ہے یا نہیں؟'' فارس چند لمحے چپ رہا' پھر گہری سانس لے کر ایک عزم سے بولا۔

''پہلے مجھے اس کیس میں دلچسپی نہیں تھی لیکن اب.... اگر ہاشم اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم سب مل کر اس کیس میں اس کو ٹف فائٹ دیں گے۔''

''گڈ!'' احمر نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔ فارس نے اپنا کندھا بے زاری سے پیچھے کیا۔

''اب جاؤ۔ تمہاری مالکن تمہیں مس کر رہی ہوگی۔'' احمر جاتے جاتے مڑا اور تنک کر اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے۔ ملازم پیشہ آدمی ہوں۔ مگر سوری سوری.... تم جیسے جاب لیس فارغ لوگ کیا جانیں کہ ملازمت کیا چیز ہوتی ہے۔''

''جا.... جا۔ دماغ نہ خراب کر میرا۔'' اس نے غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ شدید مضطرب نظر آ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

چلے جو ذکر تو فرشتوں کی پارسائی کا ..... تو زیرِ بحث مقامِ بشر بھی آتا ہے

''your witness'' زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی' اور ہاشم کو اشارہ کیا تھا۔ اب گواہ اس کا تھا۔ جیسے چاہے جرح کرے۔

جب وہ نیچے آ کر بیٹھی تو پیچھے سے کسی نے اسے ٹہوکا دیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ پچھلی نشستوں پہ فارس آ بیٹھا تھا اور اس کے کہنے پہ حنین اٹھ کر جنگلے تک آئی تھی اور پین سے زمر کے کندھے کو چھو کر اس طرف توجہ دلا رہی تھی۔ زمر نے فارس کو دیکھا۔ وہ قدرے مضطرب سا اسے اشارے میں کچھ بتا رہا تھا' زمر نے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور واپس گھوم گئی۔

''چڑیل۔'' وہ بے بسی سے بڑبڑایا تھا۔ زمر پرواہ کیے بغیر سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی جہاں ہاشم سعدی کے مقابل مگر چند قدم نیچے کھڑا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے چند کاغذ لہرائے۔

''کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟''

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔ حنین بالکل سُن ہو گئی۔ اسامہ شل ہو گیا۔ احمر نے فکرمندی سے گہری سانس لی۔ جواہرات

مسکرائی۔نوشیرواں بے چین ہوا۔فارس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ایسے میں زمر نے گردن موڑ کر فارس کو دیکھا اور پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔صرف وہ پرسکون تھی یا سعدی جو کٹہرے میں گردن تنے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔پھر وہ دھیرے سے بولا۔

''کیا آپ اپنا سوال دہرائیں گے کاردار صاحب؟''

کمرہء عدالت میں پھر سے مقدس سا سناٹا چھا گیا۔

''سعدی یوسف' کیا آپ نے ان دو افراد کا قتل کیا ہے؟'' ہاشم نے تصاویر پھر سے دکھاتے ہوئے چبا چبا کر پوچھا۔زمر کھڑی ہوئی۔

''آبجیکشن یور آنر۔اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''تعلق ہے یور آنر۔ہمیں عدالت کو دکھانا ہے کہ الزام لگانے والا خود کیسے کردار کا حامل ہے۔''

''یور آنر اگر وکیل دفاع کو سعدی یوسف پہ قتل کا الزام لگانا ہے تو اس کے لئے وہ الگ سے پٹیشن دائر کر سکتے ہیں۔لیکن قانون شہادت کے تحت وہ گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے اس کے اوپر بغیر ثبوت کے ایسے الزام نہیں لگا سکتے۔'' وہ بلند آواز میں بولی تھی۔

جج صاحب نے جواباً ہاشم کو دیکھا۔وہ فوراً بولا۔

''یور آنر....قانون شہادت کے تحت اگر گواہ کا کردار کیس کی سچائی جاننے کے لئے ضروری ہے تو ایسے سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔'' زمر کو قانونِ شہادت دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔''

''یور آنر' کیا ہمارا قانون آرٹیکل تیرہ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی شخص سے زبردستی self-incriminating سوال نہیں پوچھا جا سکتا؟'' وہ بحث کر رہی تھی۔(یعنی ایسا سوال جس کے جواب میں اس کو اعترافِ جرم کرنا پڑے۔) ہاشم دوبدو بولا۔

''مگر یور آنر' وہ ملزم کی دفعہ ہوتا ہے۔جیسے نوشیرواں کے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔سعدی یوسف اس کیس میں ملزم نہیں ہے۔گواہ ہے۔اور جہاں تک گواہ کی بات ہے تو قانونِ شہادت آرٹیکل ۹ کے تحت کسی گواہ کو self-incrimination کے باجود خاموشی کا حق نہیں ہے۔گواہ جواب دے گا۔بھلے جواب میں اسے اعترافِ جرم ہی کرنا پڑے۔گواہ کو جواب دینا ہے۔''

''مگر یور آنر....'' زمر مزید کچھ کہنے لگی تھی کہ جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''سعدی یوسف ملزم نہیں ہے' گواہ ہے' اور گواہ کا کردار جاننا واقعی ضروری ہے۔اس لئے میں چاہوں گا کہ سعدی یوسف جواب دے۔اعتراض رد کیا جاتا ہے۔'' انہوں نے سعدی کو اشارہ کیا۔زمر گہری سانس لے کر بیٹھی۔حنین نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔مٹھی لبوں پہ جمائے وہ فکرمندی سے سامنے کھڑے سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے گہری سانس لی اور پھر وہ الفاظ ادا کیے۔

''میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔''

''اور یہ بات آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں؟'' ہاشم نے آواز میں تعجب بھر کے دہرایا۔

''جی ہاں۔میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آدمیوں کو قتل نہیں کیا۔''

''آپ کو معلوم ہے perjury کیا ہوتی ہے سعدی یوسف؟ کورٹ میں جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہے؟'' ہاشم اب تاسف سے پوچھ رہا تھا۔

''جی مجھے معلوم ہے۔پرجری وہ ہوتی ہے جو ہاشم تم اپنے ہر گواہ سے یہاں کرواؤ گے مگر میں جھوٹ نہیں بول رہا۔'' اس نے اسی اعتماد سے چہرہ اٹھا کر جج صاحب کو دیکھا۔''میں نے اپنی پوری زندگی میں کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔''

ہاشم نفی میں سر ہلاتا کاغذات لے کر جج کے چبوترے کی طرف آیا۔ ''یور آنر' یہ دونوں قتل سعدی یوسف نے ہی کیے ہیں اور....'' مگر سعدی کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے ان دو انسانوں کی جان ضرور لی ہے یور آنر! مگر میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔''

بہت سی سانسیں ایک دفعہ پھر رکی تھیں۔ چند لمحے کو تو ہاشم بھی سناٹے میں رہ گیا۔ جج صاحب ذرا مزید ترچھے ہو کر بیٹھے۔ وہ اب پوری طرح سے سعدی کی طرف متوجہ تھے۔

''یور آنر کمار نامی گارڈ نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا قید کے دوران۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا تھا۔ فصیح بھی مجھے قتل کرنے آیا تھا' اور میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا۔ یور آنر سیلف ڈیفنس کی عالمی تعریف کے مطابق یہ قتل نہیں ہوتا۔ دین میں یہ گناہ نہیں ہوتا۔ سو میں نے گناہ کیا ہے نہ قتل' میں نے صرف ان کو مارا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا مگر میں ان کا قاتل نہیں ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ان کو مارنا تھا۔ یہ میرا حق تھا۔''

کمرہ عدالت میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ہاشم نے بہت بار لب کھولے پھر بند کیے۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ نوشیرواں بالکل سن سا سعدی کا چہرہ ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ (وہ کیسے اتنے لوگوں کے سامنے کسی کو مارنے کا اعتراف کر سکتا ہے؟ اتنا بہادر وہ کیسے تھا؟)

بالآخر ہاشم جج کی طرف متوجہ ہوا۔

''مگر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سیلف ڈیفینس ہی تھا۔ یور آنر سعدی یوسف ایک پاکستانی شہری ہے اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی جرم کرے گا پاکستان پینل کوڈ کا اطلاق اس پہ ہوگا۔ ملک واپس آنے پہ قانون کے مطابق اس سے تفتیش کی جائے گی اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو سزا بھی سنائی جائے گی۔ یہ سیلف ڈیفینس تھا یا نہیں' اس کا فیصلہ بھی عدالت کرے گی۔ یور آنر میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ سعدی یوسف کے اس اعترافِ جرم کی بنا پہ ایک جے آئی ٹی تشکیل دی جائے جو اس کے ان جرائم کی تفتیش اور تحقیق کرے اور پھر اسے پراسیکیوٹ کیا جا سکے۔''

''یور آنر!'' زمر مسکرا کر کھڑی ہوئی اور چبوترے کی طرف بڑھی۔ ''میرا خیال ہے کاردار صاحب کو اپنا کرمنل لاء دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔''

سب کی نگاہیں سعدی سے ہو کر زمر کی طرف اٹھیں۔

''ایکسکیوزمی؟'' ہاشم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

زمر نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔ ''قانون شہادت کے جس آرٹیکل ۹ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عدالت نے گواہ کو خاموش نہ رہنے کا حکم دیا ہے' جناب عالی اسی آرٹیکل ۹ میں لکھا ہے کہ گواہ.... ملزم نہیں گواہ.... کو خاموشی کا حق حاصل نہیں ہے چاہے اس کا بیان اس کے اپنے وجود کو ملوثِ جرم ظاہر کرے.....'' اس نے مسکرا کر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وقفہ دیا۔ ''بشرط یہ کہ اس بیان کی بنیاد پہ.... اگر دوسرے کوئی ثبوت یا گواہ نہ ہوں تو... اس شخص کو prosecute نہیں کیا جا سکتا۔'' پھر جج کی طرف چہرہ کر کے فاتحانہ انداز میں بولی۔ ''یور آنر ہمارا قانون کہتا ہے کہ گواہ کے اپنے اعترافِ جرم پہ اس کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔ ہاشم کاردار یا کسی کے پاس ایسے کوئی ثبوت یا گواہ نہیں ہیں جو سعدی یوسف کو مجرم ظاہر کریں۔ سعدی یوسف کے خلاف کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی کیس اس ایک اعترافی بیان پہ نہیں کھولا جا سکتا۔ دراصل ہاشم کاردار اس بات کو صرف ایک اسکینڈل بنا کر سعدی کو ڈس کریڈٹ کرنا چاہتے ہیں' تو اس لئے میں چاہوں گی کہ معزز عدالت کاردار صاحب کو یہ یاد دلائے کہ عدالتی حکم نامے کے تحت کئی ہفتے سے اس ٹرائل پہ میڈیا میں بحث منع ہو چکی ہے اس لئے وہ ان باتوں کو میڈیا پہ نہیں اٹھا سکتے۔''

ہاشم کا چہرہ بے بسی بھرے غصے سے متغیر ہو چکا تھا۔ ''یور آنر ایک آدمی اپنے منہ سے دو بندے مارنے کا اعتراف کر رہا ہے اور.....''

''نہ نہ نہ!'' جج صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ ''مسز زمر کا پوائنٹ ویلڈ ہے۔ گواہ کو پروٹیکشن حاصل ہے' آپ نے اپنے منہ سے کہا ہے کہ سعدی یوسف اس کیس میں گواہ ہے۔ ملزم نہیں۔ اگر نوشیرواں کا ردارا اپنے منہ سے اعتراف جرم کرتا تو عدالت اس کو پھانسی کی سزا فوراً سنا دیتی کیونکہ وہ اس کیس میں ملزم ہے۔ سعدی یوسف گواہ ہے اور گواہ کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔''

''مگر یور آنر کم از کم.....''

''آپ کو کوئی اور سوال پوچھنا ہے کاردار صاحب؟'' اب کے جج صاحب نے تلخی سے پوچھا تھا۔ ہاشم چند لمحے غم و غصے سے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گہری سانس لی اور سر جھٹکتا سعدی کے سامنے آیا۔

زمر مسکرا کر مڑی اور ایک چٹ جنگلے کے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی حنین کی طرف بڑھائی۔ حنہ جس کو اب سانس آئی تھی' اس نے وہ چٹ فوراً سے فارس کو پاس کی جو بظاہر تنے تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اس نے کاغذ کھولا۔ اندر زمر نے لکھا تھا۔

''ہز بینڈ ڈیئرسٹ.... یونیورسٹی کلاسز میں ہر وقت مجھے دیکھنے اور میری محبت میں گرفتار رہنے کی بجائے اگر تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا تو آج یہ قانون معلوم ہوتا تمہیں.... چچ چچ!''

فارس نے استغفر اللہ کہہ کر سر جھٹکا تھا۔ منہ کا ذائقہ تک کڑوا ہو گیا تھا۔ بازو بڑھا کر حنین کا قلم اچکا اور نیچے کچھ لکھا۔ پھر کاغذ تہہ کر کے آگے پاس کیا۔ ادھر ہاشم کی آواز گونج رہی تھی۔

''سونیا کی پچھلی سالگرہ پہ یعنی ایک سال پہلے کیا یہ درست ہے کہ آپ سب سے نظر بچا کر میرے کمرے میں گئے تھے؟''

''یہ درست نہیں ہے۔ میں نظر بچا کر نہیں' سب کے سامنے کھلم کھلا گیا تھا۔''

''کیوں؟''

زمر تک کاغذ پہنچا تو اس نے اسے کھولا۔ آدھی توجہ سعدی کی طرف تھی۔

''میں نے قانون پڑھ کے کرنا ہی کیا ہے؟ دنیا جہان کے لوگوں کو انصاف دلانے کے لئے آپ موجود ہیں نا۔ میں تو آرام سے ڈنر کرنے جا رہا ہوں اپنے سے پیچھے بیٹھی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے ایک ثبوت دینا ہے مجھے۔'' زمر نے اب کے گردن موڑ کر اسے گھورا تو آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ فارس نے آنکھوں میں سادگی لئے شانے اچکا دیے۔ زمر نے ''ہونہہ'' کر کے سر واپس پھیر لیا۔ ادھر سعدی کہہ رہا تھا۔

''میں باتھ روم گیا تھا' اور چند منٹ میں واپس آ گیا تھا۔''

''تو آپ میرے گھر سے کچھ چرا کر نہیں نکلے تھے؟''

''میں نے کوئی نیکلیس یا زیور نہیں چرایا تھا۔ نہ کوئی نقدی وغیرہ۔''

''سعدی یوسف خان' مجھے صرف اتنا بتائیں کہ جب آپ نے گھر جا کر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نکلا یا نہیں؟''

''چونکہ میں نے کوئی نیکلیس نہیں چرایا تھا اس لئے میں نے جب کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نہیں نکلا۔'' اس نے مزے سے دہرا دیا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ نیکلیس حنہ نے اس کے کوٹ سے نکالا تھا' خود اس نے نہیں۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ خیر میں کیا کر سکتا ہوں۔ چلئے۔ یہ تصویریں دیکھئے' سعدی۔'' ہاشم اب اس کو پروجیکٹر اسکرین پہ چند شاٹس دکھا رہا تھا۔ ''یہ ہارون عبید کے اس ہوٹل کی بیسمنٹ کی تصاویر ہیں جہاں مبینہ طور پہ آپ کو قید رکھا گیا' بقول آپ کے' لیکن جب میڈیا کے نمائندے وہاں گئے تو یہاں جالے لگے تھے اور برسوں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟'' سعدی نے ایک نظر اسکرین کو

دیکھا۔

''میرے یہاں سے نکلنے کے قریباً ایک ماہ بعد میڈیا کے نمائندے یہاں گئے۔ ایسا سیٹ اَپ کرنے لئے ایک دن بھی بہت ہوتا ہے۔''

''تو آپ ابھی بھی مصر ہیں کہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو یہاں قید رکھا؟''

ہاشم نے مصنوعی تعجب ظاہر کیا۔ وہ کنکھیوں سے زمر کو دیکھتا رہا' اس کے اٹھ کر objection چلانے کا انتظار کرتا رہا' مگر وہ اطمینان سے بیٹھی قلم دانتوں میں دبائے رہی۔

اس نے اپنا گواہ تیار کر کے بھیجا تھا۔

''ذرا اس تصویر کو زوم کیجئے کاردار صاحب۔ یہ اس طرف سے۔'' سعدی اطمینان سے انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے سر کو خم دیا اور متعلقہ جگہ سے زوم کیا۔

''یہ کونے میں دیوار پہ....'' سعدی اشارہ کر کے بتانے لگا۔ ''جی بالکل ان گندے کاٹھ کباڑ کے ڈبوں کے پیچھے دیوار پہ چند لکیریں نظر آ رہی ہیں۔ عدالت میں جمع کروائی تصاویر میں بھی یہ لکیریں واضح ہیں۔ ہارون عبید کے آدمیوں نے ان کو اس لئے چھوڑ دیا کہ شاید یوں یہ دیوار مزید خستہ لگے مگر یور آنر یہ پوری 247 لکیریں ہیں۔ 21 مئی سے 22 جنوری تک کے دن میں نے گن رکھے تھے۔ میں روز ایک لکیر کا اضافہ کرتا تھا۔ آپ ان کو گنوا کر دیکھ لیں۔ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی اتنی ہی ہوں جتنے دن میں قید میں رہا ہوں۔'' وہ اعتماد اور سکون سے بول رہا تھا۔ ہاشم ایک دم لاجواب ہو گیا تھا۔ جج صاحب اب دلچسپی سے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے فائل میں ایک نقطہ نوٹ کیا۔

''سعدی یوسف آپ کا کہنا ہے کہ آپ کو کاردارز کے آدمی نے پاسپورٹ دیا اور یوں آپ ملک واپس آ گئے۔'' ہاشم نے موضوع بدلا۔

''جی' کاردارز میں سے ہی کوئی تھا۔''

حنین نے فوراً سے فارس کو دیکھا۔ (آدھا کاردار۔) وہ ڈھٹائی سے سامنے دیکھتا رہا۔

''لیکن آپ کے پاسپورٹ کے مطابق آپ افغانستان میں بھی رکے تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہاں آپ کا کیا کام تھا؟'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی فائلوں کے درمیان سے ایک شفاف پیکٹ نکالا اور اوپر جج صاحب کے سامنے رکھا۔ سعدی بالکل سُن رہ گیا۔ پاسپورٹ ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ یہ وہی تھا جو اس نے پھینکا تھا۔ اب کے ہاشم نے فاتحانہ نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''کیا آپ کے افغان طالبان گروہوں سے تعلقات ہیں سعدی یوسف اور یہ سارا ڈرامہ آپ فساد پھیلانے کو کر رہے ہیں؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعدی بولا تو اس کی آواز غصے سے کانپی تھی۔

''آبجیکشن یور آنر۔ اس بات کا کیس سے کیا تعلق؟'' وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

''اوور رولڈ۔ تعلق تو ہے۔'' جج صاحب نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''یور آنر سعدی یوسف نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگلی سماعت پہ دفاع اس بات کے خلاف rebuttal ثبوت پیش کرے گا جو یہ ثابت کریں گے کہ سعدی یوسف طالبان کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ہاشم نے سرد مہری سے جج صاحب کو اطلاع دی۔

''یور آنر میں دہشت گرد نہیں ہوں۔ میں نیسکام کا ایک انجینئر ہوں۔ میرے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔'' وہ پھٹ پڑا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''میں انصاف مانگنے آیا ہوں اس عدالت میں' یہ مجھے ایسے دہشت گرد برانڈ کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ زمر نے اسے کٹہرے سے اترنے کا اشارہ کیا۔ ہاشم نظر انداز کر کے اب اختتامی فقرے دہرا رہا تھا۔ وہ

دل برداشتہ سا وہاں سے اترا۔

فارس اپنی نشست سے گھوما اور مڑ کر آبدار کو دیکھا۔

''آپ کے پاس واقعی کچھ ہے مجھے ڈنر پہ دینے کے لیے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ تفاخر سے مسکرائی۔

''جی۔ ایک ٹائی پن کیمرے میں ریکارڈ مسز کاردار کا وہ حکم نامہ جو ثابت کرتا ہے کہ فصیح سعدی کو مارنے گیا تھا۔ چاہیے تو جو وقت اور جگہ میں ٹیکسٹ کر رہی ہوں ادھر آ جائے گا۔ میں دو لوگوں کی ٹیبل بک کروا چکی ہوں۔''

''مجھے اپنی زبان دیں کہ آپ اسے ڈنر پہ ساتھ لائیں گی۔''

''وعدہ!'' اس کی آنکھیں بہت محبت سے چمکی تھیں۔ وہ خاموش رہا۔

کورٹ روم سے سب سے پہلے آبدار نکلی تھی۔ پھر کاردارز۔ نوشیرواں نکلتے ہوئے بالکل شل سا کہہ رہا تھا۔ ''اس نے دو قتل کا اعتراف کیا مگر اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کیا پاگل پن ہے یہ؟''

''سوری سر مگر اسے Law of the land کہتے ہیں۔'' احمر اس کو سمجھاتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ''یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ پولیس یا کوئی اور کسی سے جبری اعترافِ جرم نہ کروا سکے۔ اور....'' ان کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

وہ پانچوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔ راہداری میں تیز بہتے ہجوم کے باجود وہ رکے کھڑے تھے۔

''آپ نے بھائی.... دو لوگ....'' حنین کہتے کہتے رک گئی۔ یہ وقت نہیں تھا ایسی باتوں کا۔ کیونکہ پہلی دفعہ سعدی پریشان لگ رہا تھا' اور فارس کو از سرِ نو غصہ چڑھ گیا تھا۔ ''تم نے مجھے کہا تھا کہ تم نے وہ پاسپورٹ ڈسپوز آف کر دیا ہے۔ یہ ڈسپوز آف کیا ہے تم نے؟'' وہ دبا دبا سا غرایا' ساتھ میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔

''میں نے کر دیا تھا۔ مختلف جگہوں پہ پھینکا تھا۔ کسی کو کیا پتہ میں ادھر آ رہا ہوں۔ کیسے کسی نے اس کو اٹھایا۔ پھر جوڑا۔'' وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

''اِٹس اوکے۔ اتنا مسئلہ نہیں ہے۔'' زمر نے سبھاؤ سے کہتے ہوئے تسلی دی۔ ''یہ تمہاری سیلف ڈیفینس موو تھی۔ تمہیں کوئی اس پہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ہمیں اس وقت ڈاکٹر سارہ پہ فوکس کرنا ہے۔ ان کو گواہی دینی ہو گی' ہر حال میں۔''

فارس نے ایک ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ حنین اس کے پیچھے لپکی۔ شور' ہجوم اور اس ساری چہل پہل کے درمیان میں سے گزرتی' وہ بالآخر اس کی رفتار سے جا ملی۔

''تو ہاشم اب اس پاسپورٹ کے ذریعے بھائی کو دہشت گرد ثابت کرے گا؟ بھائی بہت ہرٹ ہو گا یوں ماموں۔ ہم اس کا ہرٹ کیسے کم کریں؟'' وہ فکرمند اور ناخوش لگتی تھی۔ فارس نے رفتار ہلکی کر دی' پھر چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

''ہمیں اب اس بات کو یقینی بنانا ہو گا حنین کہ تمام گواہ درست گواہی دیں۔ اور سب سے پہلے ہمیں سارہ کو راضی کرنا ہو گا۔ ہمیں زمر اور سعدی کی مدد کرنی ہو گی اور اس ٹرائل کو سنجیدہ لینا ہو گا۔'' وہ اب اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حنہ سر ہلاتی سن رہی تھی۔

''ٹیم زمر کی مدد کرنا.... سو بورنگ۔'' وہ ناراضی سے بولی تھی۔

کچہری کے باہر لمبی سیاہ شیشے والی کارز کی طویل قطار لگی تھی۔ جواہرات کو گو کہ ہر پیشی پہ آنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ ہر دفعہ نیا سیاہ ڈیزائنر وئیر اور نئی جیولری پہن کے ضرور آتی۔ اسے معلوم تھا کہ ہاشم جیت جائے گا' سو وہ اس سارے دورانیے میں بھرپور میڈیا attention سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھی تو احمر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔ جواہرات نے ایک نظر نوشیرواں اور ہاشم کی

گاڑیوں کو آگے نکلتے دیکھا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ آبدار فارس وغیرہ کے ساتھ کیوں بیٹھی تھی؟''

''وہ تو دو ماہ سے ہر پیشی پہ آ کر ادھر ہی بیٹھ جاتی ہیں۔ ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھنا ان کو۔'' وہ موبائل سے کھیلتا ہوا بولا تھا۔ کار اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔

''اور تم کہاں تھے؟ آتے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ پھر تم اور فارس باری باری کورٹ روم میں داخل ہوئے۔ ہاں احمر؟'' وہ نرم مگر گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ احمر نے پورے سکون سے چہرہ موڑا۔

''غازی نے بلایا تھا مجھے۔ وہ بات کرنا چاہتا تھا۔'' وہ پورے اعتماد سے اسے بتا رہا تھا۔ ''وہ اس مقدمے سے خوش نہیں ہے۔ آپ کے لئے پیغام بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سارہ کو تنگ نہ کیجئے گا ورنہ وہ ہر حد تک جائے گا۔''

''تمہارا دوست رہا ہے۔ کچھ اور پوچھا نہیں اس نے تم سے؟''

''اگر میں اتنی آسانی سے بتانے والوں میں سے ہوتا تو آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ نہ بیٹھا ہوتا۔'' مسکرا کر تابعداری سے بولا تھا۔ جواہرات کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سر کو خم دیا اور باہر دیکھنے لگی۔ اسے احمر پہ پورا اعتبار تھا۔

.....❖❖❖.....

جو سیلابوں کی رو میں بہہ گئے ہیں ..... کرے گا کون ان قبروں کا ماتم؟

سارہ کے گھر کے لونگ روم میں اس وقت شدید تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ ایسے جیسے ہر شخص کی گردن سے ڈوریاں بندھی ہوں' اور ان ڈوریوں نے ساری فضا میں کھنچاؤ پیدا کر دیا ہو۔ کوئی ڈھیلا پڑنے کو آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔

''سارہ اگر تم نے وہ سب کچھ دیکھا تھا تو تمہیں کسی سے تو کہنا چاہیے تھا۔'' ندرت ملال سے کہہ رہی تھیں۔ پچھلے ڈھائی ماہ میں وہ یہ بات کئی دفعہ دہرا چکی تھیں۔ سامنے صوفوں پہ موجود زمر' فارس' حنین اور خود ذکیہ بیگم سب خاموش تھے۔ جب ندرت بولتیں تو وہ اسے دیکھتے' جب سارہ بولتی تو اسے۔ ٹینس کے میچ کی طرح نگاہیں دائیں سے بائیں سے دائیں واپس آتیں۔

''آپا آپ سب کچھ جاننے کے باجود ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں۔'' سامنے والے سنگل صوفے پہ فکرمند' اور بے بسی بھرا دبا دبا غصہ لئے بیٹھی سارہ نے شاکی انداز میں کہا تھا۔ وہ ابھی آفس سے آئی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے۔ پرس بھی ساتھ ہی رکھا تھا۔ چہرے پہ تھکان تھی مگر آنکھوں میں خفگی بھی تھی۔ ''خاور نے مجھے ہراس کیا تھا۔ وہ لوگ میرے بچے مار دیتے' کیا یہی چاہتے ہیں آپ لوگ؟''

''اچھا ٹھیک ہے وہ سب پیچھے رہ گیا۔ لیکن اب تو سارہ تم عدالت میں پیش ہو جاؤ ورنہ سعدی کا کیس بہت کمزور ہو جائے گا۔'' ندرت نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''میں کیسے عدالت میں کھڑے ہو کر یہ سب کہوں؟ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ آپ لوگ مجھے سمجھانے کے بجائے خود کیوں نہیں سمجھتے؟'' وہ ڈری ہوئی نہیں تھی' وہ ان کی عقلوں پہ متعجب تھی۔

''سارہ انہوں نے جو سعدی کے ساتھ کیا' تم اس کے لئے کوئی گواہی نہیں دو گی کیا؟''

''تاکہ جو سعدی کے ساتھ کیا ہے وہی میرے بچوں کے ساتھ کریں؟ کیا اب بھی آپ لوگوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔'' حیرت سے ان سب کو دیکھا۔

''میرا شوہر مرا۔ فارس کی بیوی مری۔ زمر کے ساتھ جو ہوا۔ سعدی کے ساتھ جو ہوا۔ اب بھی آپ لوگ ان کے خلاف جانا چاہتے ہیں؟'' وہ حیرت سے سبز آنکھیں پھیلائے کہہ رہی تھی۔

''سارہ!'' فارس ہلکا سا کھنکارا۔ پھر ذرا آگے کو ہو بیٹھا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ دوبارہ کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو اس لئے ان کو سزا دلوائی جائے۔''

''یہی وارث کی منطق تھی' یہی زمر' سعدی اور تم نے کیا۔ تم لوگ میرے بچوں کو اب ایک نئے تجربے کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو؟'' وہ صدمے سے بول رہی تھی۔

''ڈاکٹر سارہ آپ کو کورٹ نے سمن کیا ہے' آپ کو آنا تو پڑے گا۔ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر حلف تو لینا ہوگا۔ پھر جھوٹ بولیں گی کیا آپ ؟'' زمر جوٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی مسلسل نیلی انگوٹھی کو انگلی میں گھما رہی تھی' رسان سے بولی تھی۔

''سوری زمر لیکن میں کسی عدالت میں نہیں جا رہی۔ اور پلیز مجھے ان جج مینٹل نظروں سے نہ دیکھیں۔ آپ میری جگہ نہیں ہیں۔ اس لئے نہیں سمجھ سکتیں۔''

''ڈاکٹر سارہ میں آپ کی جگہ پانچ سال پہلے تھی اور میں نے کورٹ میں گواہی دی تھی۔ میں چھپ کر گھر میں نہیں بیٹھ گئی تھی۔ گواہی چاہے غلط تھی یا صحیح تھی' چھپائی نہیں تھی میں نے!''

''آپ نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی' کاردارز کے خلاف نہیں۔ بھری عدالت میں کاردارز کو قاتل نہیں کہا تھا آپ نے؟''

''میں پچھلے دو ماہ سے بھری عدالت میں کاردارز کو ہی قاتل بول رہی ہوں سارہ' اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ مجھے ایک دفعہ بھی انہوں نے دھمکی نہیں دی۔ اتنے ہائی پروفائل کیس میں ہاشم جیسے لوگ گواہوں یا وکیلوں کو نہیں نقصان پہنچاتے۔ وہ ہم سے ڈرے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے نہیں ڈرنا۔''

زمر اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔ سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ ''آپ نہیں سمجھ سکتیں زمر۔ آپ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کے لئے آپ کو ڈرنا پڑے۔''

لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ فارس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ پتہ نہیں کس سے۔ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔ ندرت نے پہلو بدلا۔ مگر زمر اسی طرح آرام سے بیٹھی رہی۔ آنکھوں کے تاثرات پرسکون رہے۔

''جی سارہ' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے دو بچے نہیں ہیں۔ میرے تین بچے ہیں اور میں یہ سب انہی کے لئے کر رہی ہوں۔''

حنہ مسکرا دی۔ بہت سی ڈوریاں جیسے ٹوٹ گئیں۔ تناؤ گویا فضا میں گھل گیا۔ بہت سے لوگوں نے سکون کی سانس لی۔ سارہ چند لمحے کو تو بول نہیں سکی' پھر اٹھ گئی۔

''مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ اور میں مزید یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔'' پھر ایک ملامتی نظر فارس پہ ڈالی۔ ''اب تم بھی مجھے سیف راستہ نہیں دینا چاہتے کیونکہ تمہیں بھی اب اس ٹرائل والی منطق سے اتفاق ہو گیا ہے' ہے نا۔''

''آپ کے لئے گواہی دینا بہتر ہے سارہ۔'' وہ نرمی سے بولا تھا۔ سارہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ سب خاموش رہ گئے۔ ماحول افسردہ ہو گیا۔ پھر فارس کھنکھارا۔ ''میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی....'' زمر کو دیکھا۔ ''کسی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔''

زمر یوسف جو چند لمحے پہلے تک پرسکون سی بیٹھی تھی' اب کے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ان میں آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

''تو ڈنر کے ٹائم جانا۔ ابھی سے کیوں جا رہے ہو؟''

''اچھا ہے نا۔ ذرا گپ شپ لگانے کا وقت مل جائے گا۔ کبھی کبھی تو ایسا بہانہ ملتا ہے۔'' تھوڑی کھجاتے ہوئے وہ سادگی سے بولا تھا۔

(دو نمبر آدمی!) وہ بڑبڑا کر رخ موڑ گئی۔ سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اب اپنا والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ زمر کا بہت دل چاہ رہا

تھا کہ وہ اسے روک لے مگر اب منت تو کر نہیں سکتی تھی۔

(اب یہ اس کے ساتھ ڈنر کرے گا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے۔ اچھا بہانہ ہے۔ ہونہہ ثبوت مائی فٹ۔ دو نمبر قسم کے بہانے۔) وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی کلستی رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

سوچ کا آئینہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ ..... اندر چہروں کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ دیوہیکل دیواروں اور عالیشان ستونوں سے مزین لابی میں اونچے فانوس لٹک رہے تھے' زرد روشنیوں نے خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایک طرف اونچے شیشے کے پار مصنوعی آبشار بہہ رہی تھی۔ پانی اوپر سے نیچے آکر حوض میں گرتا بہت دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب جہاں بہت سے سیاح رک رک کر آبشار کے ساتھ تصاویر بنوا رہے تھے وہاں نوشیرواں بھی کھڑا تھا۔ مگر اس کی پشت شیشے کی طرف تھی۔ وہ آبشار کو نہیں' اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً سامنے سے شہرین آتی دکھائی دی۔ اس کے سنہری بال اونچی پونی میں بندھے تھے' اور مسکارا کے باجود آنکھوں میں شدید بے چینی کا تاثر تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس کے قریب آئی۔

''تھینک گاڈ تم آ گئے۔'' شور کے باعث اسے بلند آواز میں نوشیرواں کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔ شیرو نے بے گانگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم نے کہا تھا کہ اس کا تعلق میرے کیس سے ہے' اسی لئے آیا ہوں بولو۔''

شہرین نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''تم ہاشم کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ابھی ایک سال پہلے کی بات ہے جب تم مجھ سے....''

اس نے سر جھٹکا۔ ''اچھا آؤ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

''بیٹھ کر بات کرنے سے تمہاری کڑوی باتوں میں مٹھاس نہیں گھل جائے گی۔ جو بتانا ہے یہیں بتاؤ۔''

شہرین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور تندہی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں مجھ سے ذرا احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ یہ مت بھولو کہ تم میرے سامنے اعترافِ جرم کر چکے ہو اور کورٹ نے مجھے گواہی کے لئے بلایا ہے۔''

''تو جاؤ دے دو گواہی۔'' اس نے شانے اچکائے تھے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سی بے پرواہی تھی۔

''میں نے گواہی دی تو تم جیل میں پڑے ہو گے۔ ڈرو اس وقت سے۔''

نوشیرواں نے فون سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بھی ابرو اچکانے والے انداز میں۔

''اعترافِ جرم اتنی بڑی بات نہیں ہوتی شہرین۔ میں نے آج دیکھا سعدی کو.... اپنی آنکھوں سے دیکھا....'' دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے بھری عدالت میں کہا کہ اس نے دو لوگ قتل کیے ہیں۔ لیکن کسی نے اس کو اس disgust اور نفرت سے نہیں دیکھا جیسے اس روز کلب میں لوگوں نے مجھے دیکھا تھا۔ میری گولیوں سے وہ مرا تو نہیں تھا' میں اقدامِ قتل کا مجرم ہوں' قتل کا تو نہیں۔ اس نے تو دو لوگ.... دو انسان مار دیے اور کسی نے اس کو ایسے نہیں دیکھا۔ قانون' پولیس' سب اس کو پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ میں نے کسی کو مارا ہے' اتنی بڑی بات نہیں تھی شہری۔ گناہوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ان کو فیس کرنا چاہیے۔ یا تو ہاشم بھائی کی طرح ان کے لئے ایک ہزار تاویلیں گھڑ لینی چاہئیں یا پھر.... سعدی کی طرح ان کا اعتراف کر کے ان کو own کرنا چاہیے۔ اپنے خوف اور ڈر کو own کرنا چاہیے۔''

شہرین نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی۔ ''شیرو میں تمہارے خلاف گواہی نہیں دوں گی' اگر تم مجھے اپنی کمپنی میں شیئرز اور.....''

''پتہ ہے شہری میں کتنے مہینوں سے' بلکہ ایک سال سے مختلف قسم کے واہموں اور خوف کا شکار رہا ہوں۔ سرخ شربت دیکھوں تو

خون نظر آتا تھا۔'' وہ سر اٹھائے اوپر جھولتے فانوس پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا۔ وہ عجیب سی ذہنی کیفیت میں تھا۔ ''کتے کو ماروں تو لگتا انسان کو مار دیا ہے۔ ہاتھوں پہ سرخ دھبے نظر آتے تھے۔ گیلے دھبے۔ خون ہر جگہ تھا۔ میں برے خواب دیکھتا تھا۔ شاید مجھے بائی پولر ہو گیا تھا یا شاید Obssesive compulsive disorder ہو گیا تھا۔ ہونہہ۔ گوروں نے بھی دل کی بیماریوں کے کیسے کیسے نام رکھ دیے ہیں۔ مگر پتہ ہے کیا شہری.... آج میں نے دیکھ لیا ہے۔'' اوپر اٹھی اس کی آنکھوں میں فانوس کی جھلملاتی روشنیاں اتر آئی تھیں۔ ''میں نے دیکھ لیا ہے کہ بہادر وہی ہوتا ہے جو اپنے خوف کو دبوچ لے اور پھر پھونک مار کر اس کو راکھ کی طرح اڑا دے۔ خوف سے بھاگنا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ خوف کے اندر غوطہ کھانا اور پھر اس سے نکل آنا انسان کو اصل آزادی دیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں آزاد ہونے جا رہا ہوں۔ مجھے بالآخر....'' دائیں سے بائیں وہ ہوٹل کی طویل لابی کی اونچی چھت سے لٹکتے فانوس پہ نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے بالآخر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اور جب تک میں اپنے آپ سے سچ نہیں بولوں گا' میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے روشنی نظر آنے لگی ہے۔ ہاں اب.... اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔''

شہرین منہ کھولے اسے یوں دیکھ رہی تھی گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''شیرو دیکھو میری بات سنو' تم خواہ مخواہ گلٹی ہو کر اپنا کیس مت خراب کرو۔ یوں تم.....''

''تھینک یو میری بات سننے کے لئے۔ اب میرا دماغ کلیئر ہوا ہے۔'' وہ سر ہلاتا' اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کسی دوسری دنیا میں تھا۔ جیسے دل و دماغ بہت سی آلائش سے پاک ہو گیا ہو۔

عرصے بعد اسے ایک روشنی کی امید نظر آئی تھی۔

اور یہ روشنی دکھانے والا بھی سعدی تھا۔

ایک دفعہ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔

مگر آج حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔

.....❖❖❖.....

سخن ور و اس منافقت سے تو خودکشی کا شعار سیکھو ..... زبان کا زخم زخم ہونا' حروف کا کھردے نہ رہنا

ہارون عبید کی رہائشگاہ شام کے مبہم اندھیروں سے ڈھکی دکھائی دیتی تھی۔ مرکزی ڈرائنگ روم سے گفتگو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کو نظر انداز کر کے تم گول سیڑھیوں کو پھلانگتے اوپر جاؤ اور آبدار کے دروازے کے کی ہول سے اندر جھانکو تو وہ اس طرف پشت کیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سرخ بال.... سیدھے سرخ بال کمر پہ گرے ہوئے تھے اور اس نے سرخ چھوٹا سا رومال ہیئر بینڈ کی طرح ماتھے سے ذرا اوپر سر پہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کلائی میں چوڑا سا وائٹ گولڈ بریسلٹ پہنے ہوئی تھی' لباس سلور سلک کا تھا' اور دیگر جیولری بھی وائٹ گولڈ کی تھی۔ اس سارے سفید پن میں سرخ اس کا رومال تھا یا پھر لپ اسٹک۔ وہ مسکرا کر چہرہ مختلف زاویوں سے موڑتی آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی.... دفعتاً اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ فارس کا پیغام سامنے ہی چمک رہا تھا۔

''آٹھ بجے تک آ جاؤں؟'' اور جواب میں آبدار کا ''یس'' لکھا نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے گھڑی دیکھنے لگی۔ ابھی پورا گھنٹہ پڑا تھا۔

نیچے واپس آ کر تو لاؤنج میں مخالف صوفوں پہ ہاشم اور ہارون بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ ہارون صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بغور ہاشم کو دیکھ رہے تھے جو ذرا ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کسی غیر مرئی نقطے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی انجان شخص کو پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔

''تمہاری پوزیشن دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے ہاشم!'' ہارون ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ گھاگ نگاہیں ہاشم کے چہرے سے

ہٹ نہیں رہی تھیں۔ ''ہمارے دوست تمہارے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو رہے ہیں۔''

ہاشم نے چونک کر ان کو دیکھا بھنویں سکڑیں۔ ''کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''بہت سے لوگ بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ اب وہ مزید نہیں کام کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کے لئے پیسہ وہ کسی اور سے لانڈر کروانے کے آپشن پہ غور کر رہے ہیں۔ تم.... ایک.... ڈوبتا ہوا.... ٹائی ٹینک ہو.... ہاشم!''

ہاشم کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ آ بکھری۔ ''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''مجھے ڈبونا اتنا آسان نہیں ہے ہارون۔''

''سنا ہے تمہارے اور سعدی یوسف کے کیس کا جج کافی ایماندار اور سخت ہے۔ بڑے بڑے فیصلے کیے ہیں اس نے ماضی میں۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کم از کم سعدی اسے خرید یا ڈرا نہیں سکتا۔''

''پھر تو تم بھی اسے نہیں خرید سکتے۔'' ہارون کے لہجے میں تعجب در آیا۔

''اوہ ہارون۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو۔ مجھے جج کو خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ قانون نوشیرواں کے ساتھ ہے۔ قانون ملزم کا ساتھ دیتا ہے ہمیشہ۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ قانون کے جھول اسے بری کروا دیں گے بہت جلد۔ رہے ہمارے دوست' تو ان سے کہنا' اگر میں ڈوبا تو سب کو لے کر ڈوبوں گا۔'' کالر کھڑا کر کے وہ رعونت سے بولا تھا۔

''خیر' تم سعدی کو فصیح کے قتل کے جرم میں پکڑوا نہیں سکتے کیا؟''

''انکوائری تو ہو گی مگر ایک بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔ سعدی نے کہا تھا کہ اس نے سیلف ڈیفینس میں قتل کیا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''یعنی فصیح نے اس کو مارنے کی کوشش کی۔ پہلے گارڈ کمار نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ میری ناک کے نیچے دو لوگ اس کو کیوں قتل کرنا چاہیں گے ہارون؟'' اور چبھتی ہوئی آنکھیں ہارون کے چہرے پہ جما دیں۔ ہارون اسی طرح ٹھنڈے انداز میں اسے دیکھے گئے۔

''ہو سکتا ہے سعدی جھوٹ بول رہا ہو۔''

''مجھے لگتا ہے مجھ سے کوئی اور جھوٹ بول رہا ہے۔''

''تو پھر اپنی ناک کے نیچے رہنے والوں سے سوال کرو۔ مجھ سے نہیں۔'' ہارون مسکرا کر بولے تھے۔ ہاشم اپنی چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

''اگر تمہاری کوئی انوالومنٹ نکلی ہارون تو....''

''وہ وقت گزر گیا جب تم میرے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مجھے دھمکاتے تھے ہاشم۔ جاؤ' اپنے بھائی کو بچانے کی فکر کرو۔'' ہارون کے چہرے پہ اب بھی وہی سپاٹ پن' وہی سرد مسکراہٹ تھی۔ ہاشم کا ردار کو اندر تک جیسے کسی نے جلا ڈالا تھا مگر اس بات کا جواب وہ دے نہیں پایا تھا۔

وہ جس وقت باہر پورچ کی طرف جا رہا تھا' اسے لان عبور کر کے آتی آبدار دکھائی دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ دونوں کے قدم ٹھہر گئے تھے۔ نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ کافی تیار اور سجی سنوری لگ رہی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سب سے زیادہ واضح تھی۔

''ریڈ۔'' وہ مسکرایا۔ زخمی سا انداز تھا۔ آبدار سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی۔ ہاتھ میں کلچ تھا' سامنے تیار کار تھی جس کا دروازہ کھولے کھڑا ڈرائیور جس نے چابی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی گویا آبی کے حوالے کرنی ہو تا کہ وہ خود ڈرائیو کر کے جائے۔ ہاشم نے ہر تفصیل کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ بولا۔

''پوچھ سکتا ہوں اتنا خاص کون ہے جس سے ملنے جا رہی ہو؟''

آبدار لمحے بھر کو ٹھہری۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا۔ ''نہیں۔'' کار کی طرف دیکھتے ہوئے خشک مزاجی سے بولی اور آگے بڑھ گئی۔
ہاشم کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس کے اندازے کے عین مطابق وہ اکیلی ڈرائیو کر کے جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسن جو وفا کی خاطر! ..... خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

اطالوی ریسٹورانٹ کے برآمدے میں بچھی میزوں میں سے ایک پہ آبدار عبید بیٹھی تھی۔ کمر پیچھے لگائے' اور کہنی کرسی کے ہتھ پہ جما کر اپنے ایئرنگ سے کھیلتی' وہ منتظر نظروں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ لان میں لگی میزوں پہ موجود افراد پہ بھی بار بار اس کی نظر بھٹکتی۔ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا مگر ابھی وقت پڑا تھا۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ کھیل رہی تھی۔
مورچال میں آٹھ بجے والے ڈرامے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ ندرت مسلسل اونچا اونچا ڈانٹ کر اسامہ کو خاموش ہونے کے لئے کہہ رہی تھیں جو سارا اسکول کا کام لاؤنج میں بیٹھ کر ہی کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ ساتھ میں مسلسل بڑے ابا کو بتا رہا تھا کہ حسینہ کو صداقت نے کتنا قیمتی samsung کا اسمارٹ فون لے کر دیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ یہ چائنہ والا نہیں بلکہ خالص اصلی والا ہے۔ ندرت نے چپل اٹھائی تو وہ خاموش ہوا۔
سعدی قانون کی موٹی سی کتاب اٹھائے لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے پڑھ رہا تھا۔ اور ان سب سے لاتعلق' زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ بار بار گھڑی دیکھتی' چہرے پہ بے چینی بھی تھی اور غصہ بھی۔
''کیا اب وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوگا؟ ڈنر منگوا رہا ہوگا۔ ثبوت کے تو بس بہانے ہیں۔ موقع چاہیے فارس کو بس۔'' وہ سخت خفا لگ رہی تھی۔ بار بار موبائل اٹھاتی پھر رکھ دیتی۔
''میں کیوں فون کروں؟ مجھے پرواہ تھوڑی ہی ہے۔ ہونہہ۔'' وہ مسلسل خود سے بولے جا رہی تھی.....
ریستوران میں واپس آؤ تو وہاں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ آبدار اسے داخلی دروازے سے ہی نظر آ گئی۔ اس نے گہری سانس لی اور قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔
آبی نے یقیناً اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مگن سی مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ اس نے آبدار کو نگاہوں میں رکھے لان پار کیا' بہت سی میزوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور پھر برآمدے کے زینے عبور کیے۔ چند ڈگ مزید اٹھائے' یہاں تک کہ آبدار کی میز سامنے آ گئی۔ اس نے قدم روک لئے۔ آبی کے بالکل سامنے۔
وہ جو مگن سی بیٹھی تھی' کسی کے آنے کی آہٹ پہ چونکی۔ پھر مسکراتی نظریں اٹھائیں' مگر جیسے ہی آبدار نے سامنے موجود ذی نفس کو دیکھا' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں الجھن سی ابھری۔
''سوری... آپ کون؟'' جانتے بوجھتے بھی اس نے سوال کیا۔
سامنے کھڑی حنین نے مسکرا کے کرسی کھینچی۔
''میں حنین یوسف ہوں' مجھے فارس غازی نے بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کیس میں ہماری مدد کرنا چاہتی ہیں کسی اہم ثبوت کے ساتھ۔ میں وہی لینے آئی ہوں آپ سے۔'' اپنا پرس نیچے رکھا اور دونوں کہنیاں میز کی سطح پہ رکھ کر چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے وہ معصومیت سے بولی۔
''اور.... فارس!'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔
''وہ تو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے۔ وہ اکثر اسی طرح مجھے ڈراپ کرتے ہیں' اور عموماً اسی وقت کسی کا قتل ہو جاتا ہے۔ بس خدا

ے آج کوئی جان سے نہ جائے۔'' جھرجھری لے کر وہ بولی تھی۔
آبدار کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ماتھے پہ سلوٹیں در آئیں۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اندر غصے کے ابال اٹھنے لگے تھے۔۔
''میں نا اچھی خاصی اپی کیورین ہوں۔ فوڈی! صحیح قسم کی فوڈی۔ اس لئے اپنا آرڈر تو میں فوراً کر رہی ہوں۔ آپ کیا لیں گی؟''
ن مینیو بک اٹھا کر ویٹر کو اشارہ کرتے سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ آبدار نے تند ہی سے اسے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور لمبے بالوں کی فرنچ
ں گوندھے' وہ لیمن کلر کے لان کے نفیس سے جوڑے میں ملبوس سادہ سی لڑکی تھی۔ گندمی رنگت کی حامل مگر چمکتی سیاہ آنکھوں والی۔ آبدار سر
ک کر موبائل اٹھا کر کال ملانے لگی۔ حنین اسی بے نیازی سے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہی تھی۔
''آپ آرڈر نہیں کریں گی؟'' معصوم حنین نے پلکیں جھپک کر پوچھا۔
''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ خشک لہجے میں بولی۔
''کیونکہ آپ کے پاس کوئی اہم ثبوت ہے جو آپ ہمیں دینا چاہتی ہیں۔ ماموں نے کہا' جا کر ان سے لے لو۔ میں آ گئی۔''
''جو دینا ہے' وہ ان کو ہی دوں گی۔ تمہیں نہیں۔ خیر تمہیں کچھ اور نہیں کہنا تو میں چلتی ہوں....'' وہ اٹھنے لگی۔
''ویسے تو میں اپنا بل خود ادا کروں گی۔ جی ایس ٹی ملا کر پورے دو ہزار پچاس بنیں گے۔ دو ہزار ہیں میرے پاس۔ آپ پچاس
ے ادھار دے دیں' ٹرائل پہ جب آپ سے ملوں گی تو دے دوں گی واپس۔ پھر آپ بے شک چلی جائیں۔'' پھر سے آنکھیں جھپکائیں۔
آبدار نے ایک تیکھی نظر اس پہ ڈالی' کلچ کھولا' اندر سے کریڈٹ کارڈ نکالا اور میز پہ رکھ دیا۔ نظر اٹھا کر ویٹرز کو دیکھا جو سرونگ کی
یاریوں میں نظر آتے تھے۔ چونکہ ہدایات کڑی تھیں اس لیے اس کے ''مہمان'' کے آتے ہی وہ چوکنے ہو گئے تھے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ
ہمان مطلوبہ شخص نہیں ہے۔
''پیمنٹ ہو جائے گی۔ تم کھانا کھاؤ۔!'' وہ بے زاری سے بولی تو حنین نے شانے اچکائے۔
''آپ کی مرضی!'' اور نیپکین گود میں بچھایا۔ چھری کانٹا درست کر کے رکھا۔ ''ویسے چاہیں تو ماموں سے ایک دفعہ پوچھ لیں۔ وہ
بہت پر یقین تھے کہ آپ بغیر وہ فلیش ڈرائیو دیے نہیں جائیں گی۔'' آبدار کو اس کے کیو کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی موبائل پہ نمبر ملا کر
اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی فارس نے کال پک کی' وہ میز کے پیچھے سے نکل کر ذرا دور چلی آئی۔
''آپ کہاں ہیں؟'' ریستوران کے برآمدے میں کھڑے ناراضی سے وہ فون میں بولی تھی۔
''کام سے نکلا ہوا ہوں۔ کیوں؟''
''آپ کو خود یہاں آنا تھا۔ اس کو کیوں بھیجا؟'' گردن موڑ کر ایک خفا نگاہ حنین پہ ڈالی جو چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے بیٹھی مسکرا کر اسے
دیکھ رہی تھی۔ آبی کو نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔
''اگر کچھ واقعی ضروری ہے آپ کے پاس تو اسے دے دیں۔ آگے آپ کی مرضی۔''
''ڈر گئے کیا مجھ سے؟'' وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔
''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ صرف یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں پڑیں۔''
''مصیبت میں تو میں پڑ چکی ہوں۔'' تلخی سے مسکرا کر بولی۔ ''بہر حال میں اس کو کچھ نہیں دے رہی۔ بلکہ میں جا رہی ہوں یہاں
سے۔''
''مرضی آپ کی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے لائن ڈیڈ ہو گئی۔ آبدار واپس آئی تو ماتھے کے بل گہرے ہو چکے تھے۔
کھانا سرو ہو چکا تھا اور حنہ مزے سے شروع بھی کر چکی تھی۔

''میرے بھائی کا انٹرویو کرنے کے بعد بھی آپ کو اصل گیم نہیں سمجھ آئی' ہے نا؟'' لزانیہ کا بڑا سا پورشن اپنی پلیٹ میں نکالتی حنین نے مگن سے انداز میں پوچھا تھا۔

''سوری؟'' وہ کھڑے کھڑے کلچ میں موبائل رکھتی چونکی۔

''نہیں آیا سمجھ میں؟'' حنہ نے حیران نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحے لے کر منہ کا لقمہ چبایا۔ پھر سافٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ آبدار اسی طرح شش و پنج میں کھڑی تھی۔

''یہی تو سارا مسئلہ ہے آبدار صاحبہ۔ فارس غازی ہم سے اپنا کام ایسے نکلواتے ہیں کہ ہمیں لگتا ہے یہ ہمارا ہی تو آئیڈیا تھا۔ آپ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ چچ چچ۔ میں سمجھاتی ہوں آپ کو۔'' رک کر کانٹے میں پھنسا پنیر' پاستا اور قیمے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ لذیذ اشیاء زبان کو چھوتے ہی گویا اندر گھل گئیں۔ اس نے نوالہ تسلی سے کھایا۔ پھر بولی۔

''آپ ہارون عبید کی بیٹی ہیں نا' اور فارس ماموں کو معلوم تھا کہ ہارون صاحب کا سعدی بھائی کے اغوا میں ہاتھ ہے' تو انہوں نے بس اتنا کیا کہ بھائی کے میموریل ڈے پہ میری تقریر سے پہلے ڈاکٹر توقیر بخاری سے کہا کہ اپنی تقریر میں اتنا کہہ دیں کہ سعدی یوسف کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوا تھا۔ فارس غازی کو پتہ تھا کہ یہ فقرہ ہارون عبید کی بیٹی کو کلک کر جائے گا۔ وہ سعدی یوسف کو ڈھونڈے گی اور اس کو فالو کرتے ہوئے ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ کو بھائی نے بتایا کہ وہ نہیں گیا کسی کلینکل ڈیتھ میں' صرف خواب دیکھا تھا اس نے مگر آپ نہیں مانیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اغوا کے وقت سعدی یوسف تو ہوش میں آیا ہی نہیں تھا' پھر ڈاکٹر توقیر بخاری کو کیسے پتہ کہ اس نے کچھ دیکھا یا نہیں؟ آپ کرتی ہیں نا ایسے لوگوں کا انٹرویو۔ یوں آپ نے بھائی کو ڈھونڈا اور ہم بھی بھائی تک پہنچ گئے۔ اب آیا سمجھ میں؟ آپ کو استعمال کیا ہے فارس غازی نے۔'' وہ کھاتے ہوئے بولتی جا رہی تھی' جیسے خبر نامہ پڑھ کر سنا رہی ہو۔ آبی بالکل متحیر سی کھڑی تھی۔ سُن۔ پھر وہ آہستہ سے بیٹھی۔

''تو وہ ہمیشہ سے مجھ پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔'' وہ بولی تو آواز میں تفاخر سا تھا۔ حنین نے ہاتھ روک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسے برا نہیں لگا تھا۔ اسے ناز ہوا تھا۔

''آپ تو کسی اور کی بھی نظر میں ہیں۔''

''کس کی؟'' وہ چونکی۔

''ہاشم کی!'' وہ بولی تو اندر دل گیلی لکڑی کی طرح سلگ گیا۔ آواز کانپی۔ آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔ دل کھویا تھا اور واپس حاصل بھی کر لیا تھا مگر کھونے کا درد اور واپسی کے جتن کی اذیت آج بھی ویسی ہی تھی۔

''ہاشم کا کیا ذکر؟'' آبدار نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ حنین چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ انہی کھوجتی رشک بھری نظروں سے۔ پھر لبوں سے پھسلا۔

''کیا ہے آپ میں' جو اسے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیتا۔''

آبدار ہلکا سا مسکرائی' پھر آگے کو ہوئی اور حنہ کی سادہ چمک دار آنکھوں میں جھانکا۔ ''چھوٹی لڑکی' کیا تمہیں ہاشم پہ کرش ہے۔''

حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ البتہ اس کے رخسار گلابی ہوئے تھے۔

''ہاشم کو متاثر کرنے کے لئے سامنے والے میں ''کلاس'' ہونی چاہیے۔'' وہ پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے خبردار کرنے کے سے انداز میں گویا ہوئی۔ ''خوبصورتی ہونی چاہیے۔ متاثر کن اسٹائل ہونا چاہیے۔ ذہانت اور اعتماد ہونا چاہیے۔ ایسی لڑکی جو اس کی کہنی تھام کر جب چلے تو ایک دنیا اس کو دیکھے۔ وہ ڈھیروں دولت اور جاہ کی مالک ہو۔ اس کا اعلیٰ خاندان ہو۔ وہ شاہزادیوں جیسی ہو۔ وہ کیریئر وومن ہو۔ بڑے بڑے میدان مارے ہوں اس نے۔ سیمینارز اور ورکشاپس میں تقریر کرتی ہو تو ایک دنیا اس سے متاثر ہوتی ہو۔ اس سے کم پہ وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔

شہرین اپنی جوانی میں ایسی ہی تھی۔''

''اور آپ بھی ایسی ہی ہیں۔'' وہ اسے تکتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ آبدار نزاکت سے مسکرائی۔

''میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی' مگر تم ایسی بالکل بھی نہیں ہو۔ وہ تمہیں کبھی نہیں چاہے گا۔ وہ ہر کسی کو نہیں چاہ لیتا۔''

حنین ہلکا سا مسکرائی۔ ''مجھے اس کی خواہش بھی نہیں ہے' میرے لئے یہی کافی ہے مجھ سے فارس غازی محبت کرتے ہیں' اور وہ ہر کسی سے محبت نہیں کر لیتے۔ بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں ان کی محبت' دوستی اور اعتماد جیتنے کے لئے۔ وہ مجھے اپنی ''ٹیم'' کہتے ہیں۔ میں اداس بیٹھی ہوں تو محسوس کر لیتے ہیں اور میں خوش بیٹھی ہوں تو میری خوشی ہمیشہ بانٹتے ہیں۔ مجھے ایسی باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو زمر کو نہیں بتاتے۔ میں خوش ہوں کہ میرے پاس زیادہ اچھے محبت کرنے والے ہیں۔''

آبدار کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی تھی مگر اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ ''تم ان کی بھانجی ہو۔ یہ نیچرل ہے۔''

''آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میرے اندر محبت لینے والی کوئی خوبی نہیں ہے؟''

''میرا تم سے کیا مقابلہ ہے!'' وہ مسکرا دی اور پھر شانے اچکائے۔ عجب ادائے بے نیازی تھی۔

''تو پھر مجھے وہ ثبوت نہیں دیں گی آپ؟'' حنین پلیٹ پرے دھکیل کر ٹشو سے ہاتھ اور لب صاف کرتے ہوئے بولی۔ آبدار نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

''فارس غازی سے کہو اگر وہ اسے چاہیے تو مجھ سے خود آ کر لے۔ میں دے دوں گی مگر صرف اسی کو۔ تم میرے پیر بھی چھوؤ تو میں تمہیں نہیں دوں گی۔''

''آپ کی مرضی ورنہ میں تو آپ کے پیر چھونے والی تھی!'' حنین مایوسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پرس کندھے پہ لٹکایا۔

''کھانا اچھا تھا مگر اتنا اچھا نہیں۔ اٹالین میں دیسی ٹچ آ رہا تھا۔ بل آپ ادا کر دیجئے گا۔ میں تو ویسے بھی کسی قابل نہیں۔'' اور کندھے اچکا کر مڑ گئی۔ آبدار نے سر جھٹکا۔ اس کی نظروں نے دور جاتی حنین کا آخر تک پیچھا کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں آخری باتوں میں طنز سا محسوس ہوا تھا۔

بل پے کرنے کے بعد اس نے کریڈٹ کارڈ واپس رکھنے کے لئے پرس کھولا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ پرس کی اندرونی زپ کھلی تھی اور وہ خفیہ جیب خالی تھی۔ وہ خفیہ جیب جس میں اس نے وہ ٹائی پن ڈرائیو رکھی تھی۔

''کدھر گئی!'' آبدار بدحواسی سے پرس کو کھنگالنے لگی۔

باہر پارکنگ میں فارس کی کار کا فرنٹ ڈور کھول کر حنین اندر بیٹھی اور ٹائی پن کیمرہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''چار منٹ بھی نہیں لگے مجھے۔ پہلے اس کا پرس کھلوایا۔ پھر جب وہ آپ سے بات کرنے کے لئے سائیڈ پہ گئی تو اسے نکال لیا۔ مجھے لگا تھوڑی احتیاط سے چھپائے گی اسے مگر وہ محترمہ تو اپنے شاہانہ زعم میں کافی لاپرواہ ثابت ہوئی ہیں۔ اب بیٹھ کر سوچ رہی ہو گی کہ کون کتنا قابل ہے۔ ہونہہ۔'' خفگی سے بڑبڑاتی وہ بولی تھی۔ فارس نے ایک ہاتھ میں ننھا کیمرہ پکڑا اور دوسرے سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔

تھوڑی دور جا کر اس نے گاڑی کی چھت پہ لگی لائٹ آن کی اور غور سے اس ڈیوائس کو دیکھا۔ پھر جیب میں رکھ دی۔

''ویسے آپ خود بھی ان سے مل کر یہ لے سکتے تھے۔'' کافی دیر بعد حنین ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے سوچتے ہوئے بولی۔

''جب آپ کو یہ معلوم ہو حنین کہ کسی سے آپ کا ملنا یا بات کرنا آپ دونوں کو فتنے میں مبتلا کر سکتا ہے تو پھر اس راستے سے ہی احتراز برتنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ بہانے بہانے سے اس سے ملا جائے اور خود کو صفائیاں دی جائیں کہ یہ آخری بار ہے' اس دفعہ بات کر کے اس قصے کو ختم کرنا ہے میں نے۔ ایسے نہیں ہوتا۔ جب تعلق توڑنا ہوتا ہے تو کسی خدا حافظ' کسی الوداع کے بغیر اسی لمحے توڑا جاتا ہے۔'' وہ سادہ سے انداز

میں کہہ رہا تھا۔ حنین کو بہت کچھ یاد آیا مگر بظاہر بشاشت سے بولی۔

''صاف کہیں نا۔ بیوی سے ڈرتے ہیں آپ۔''

''بیوی سے کون نہیں ڈرتا یار!'' اس نے جھرجھری سی لی۔ وہ ہنس دی۔ پھر سڑک کو دیکھ کر بولی۔ ''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''تمہیں گھر ڈراپ کر کے میں فاطمی صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔''

حنین بالکل ٹھہر گئی۔ ''الیاس فاطمی۔ وارث ماموں کا باس؟'' یہ نام ذہن میں پانچ سال سے بیٹھا ہوا تھا۔

''ہوں۔ وہ witness list میں ہے۔ اس لئے مجھے اس سے ملنا ہے مگر سنو۔ گھر جا کر زمر کو مت بتانا کہ میں اس سے ملنے گیا ہوں۔'' یاد دہانی کرائی۔

''تو انہیں کیا بتاؤں آپ کس سے ملنے گئے ہیں۔''

''جس سے تم مل کر آ رہی ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

حنین کے ابرو خفگی سے بھنچے۔ ''اس mean حرکت کو کیا کہوں میں؟''

''اسے تم Farcisissm کہو۔ خیر سے زمر بی بی یہی ڈیزرو کرتی ہیں۔ اب اترو۔'' گھر آ گیا تھا۔ فارس نے اس کو مسکرا کر اترنے کا اشارہ کیا۔ حنین خفا سی اتر گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے کار آگے لے گیا۔ اسے جیسے سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

شدت غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟ ..... کچھ دیے تند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ ایک عجیب رات تھی۔ بے چین۔ مضطرب۔ ڈھیر سارا ذہنی دباؤ لئے ہوئے۔

وہ سونیا کی سالگرہ میں جانے سے پہلے وارث سے ملا تھا۔ حنین اس کے ساتھ تھی۔ اسے حنین کو اس کی کسی دوست سے ملوانے جانا تھا۔ یہ بھی ایک بہانہ تھا۔ زمر سے ملنے کا بہانہ نہ ڈھونڈنے کا بہانہ۔ جب کوئی تعلق نہیں رکھنا تو کیا بار بار اس کا سامنا کیا جائے؟ یہی سوچ کر وہ فرار اختیار کر رہا تھا۔ حنین کار میں بیٹھی تھی اور وہ باہر کھڑا تھا۔

وارث سے اس کی بات تب ہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا۔ ظاہر نہیں کر رہا تھا مگر پریشان تھا۔

''میرا باس مجھ سے استعفیٰ مانگ رہا ہے۔''

اس وقت لوگ آس پاس تھے۔ وہ جلدی میں تھا۔ اس کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا۔ مگر اس نے بار بار کہا تھا۔

''تم انتظار کرو۔ میں کرلوں گا سب کچھ ٹھیک۔ بس تم استعفیٰ نہیں دو گے۔''

آخری دفعہ جو اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اس پہ ایک تسلی سی تھی۔ سخت پریشانی کے درمیان موہوم سی تسلی۔ ایک مان۔ اعتبار سا تھا کہ فارس سنبھال لے گا۔ اور وارث سر کو اثبات میں خم دیتے ہوئے اپنی کار کی طرف مڑ گیا تھا۔ یہ وہ آخری دفعہ تھا جب اس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ زندہ چہرہ۔

وہ حنین کو ہوٹل لے آیا۔ اس کی دوست سے پے در پے سوالات کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل کوفت ہو رہی تھی۔ ذہنی طور پہ وہ پیچھے تھا۔ وارث کے مسئلے میں اٹکا تھا۔ سالگرہ کی تقریب میں واپس آ کر بھی وہ ایسا ہی الجھا ہوا تھا۔ زرتاشہ کو ہاشم نے کچھ کہہ دیا تھا' وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی۔ فارس کا کھولتا دماغ مزید ابلنے لگا تھا۔ اسے خود بھی نہیں یاد اس رات اس نے کس کس کو جھڑکا تھا۔ علیشا' حنین' زرتاشہ' ہاشم۔ سارا غصہ اور چڑچڑا پن اس لئے تھا کہ وہ وارث سے نہیں مل سکا تھا۔ اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں سکا تھا۔

زرتاشہ آف موڈ کے ساتھ سوئی تھی۔ وہ مسلسل وارث کو کال کر رہا تھا مگر اس کا فون آف تھا۔ اس رات وہ نہیں سویا۔ بالکونی میں بیٹھا

رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' وہ سوچے جا رہا تھا۔ سامنے ہاشم کے کمرے میں ایک لیمپ آن تھا۔ پردوں کی جھری سے صاف دکھائی دیتا تھا' ہاشم بھی صوفے پہ لمبے پیر کر کے بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ کسی اور ہی حالت میں لگتا تھا۔

فارس پھر بالکونی میں ٹہلنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں۔ وہ بے چین تھا۔ جانے کون سی چیز سکون نہیں دے رہی تھی۔ دل خراب تھا۔ دماغ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کیا کرے۔ کس سے کہے۔

وہ عجیب بھاری سی رات تھی۔ گویا دل پہ کوئی بھاری سل پڑی ہو جس کو اٹھائے تو کیسے اٹھائے؟ گرائے تو کیسے گرائے؟ کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔ صبح صادق ابھی ٹھیک سے طلوع بھی نہیں ہوئی تھی جب اس نے بنا کچھ کھائے پیئے' حتیٰ کہ منہ دھوئے بغیر چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ اسے وارث سے ملنا تھا۔ جلد از جلد۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ عجیب سے واہمے آتے تھے ذہن میں۔

مگر وارث اپنے ہاسٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔ صرف اس کا جسم تھا۔ پنکھے سے جھولتا۔ وہ بھاگا اور اس کے پیر پکڑ لئے' گردن کو سہارا دیا' مگر یہ گردن ٹوٹے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ وہ اب نہیں رہا تھا۔

اگلے چند دن یوں گزرے گویا آنکھوں کے سامنے لال دھند سی چھائی ہو۔ عجب کرب تھا' عجب درد تھا۔ پہلے دن وہ صدمے سے چپ رہا تھا۔ وارث کی بیٹیوں کو روتے دیکھتا رہا۔ ویران آنکھوں سے سب دیکھتا رہا۔ ویران دل سے سنتا رہا۔ پھر جب وہ وارث کی بیٹی کے ساتھ اس کی قبر کے سامنے بیٹھا تو اس روز سارے احساسات جاگنے لگے تھے۔ غم پہ غصہ غالب آنے لگا تھا' اتنا کہ لگتا تھا دل پھٹ جائے گا۔ تب اس نے عہد کیا تھا۔ قسم کھائی تھی۔ کہ وہ انتقام لے گا۔ شاید تب وہ انتقام کو انصاف کے مترادف سمجھتا تھا۔ وہ ضرور اپنے بھائی کے خونیوں کو کیفر کردار تک پہنچائے گا' اس کا عہد تھا خود سے۔ اور جتنا وہ اس بارے میں سوچتا تھا' اتنا ہی غصہ عود آتا تھا۔ دل چاہتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ جلا کر راکھ کر دے۔ کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ عقل پہ پڑا سرخ پردہ اتنا گھنا تھا کہ سارا منظر دھندلا دیتا تھا۔

وہ اور سعدی زمر کے پاس گئے۔ اب اسے پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کی کون تھی۔ اب صرف یہ اہم تھا کہ وہ کون تھی۔ وہ پراسیکیوشن آفس میں ایک اہم عہدے پہ تھی۔ وہ اس کیس کو دیکھ سکتی تھی' وہی کچھ کر سکتی تھی۔ مگر اس کا رویہ بھی خشک سا تھا۔ وہ جیسے چھٹی لے کر جانے کے بعد زبردستی واپس بلائی گئی تھی۔ اس کے لئے تو یہ روز کی بات تھی۔ آج ایک قتل ہوا تو آج دو۔ وہ بے تاثر انداز میں معمول کا کام کرتی رہی۔ ابتدا اس نے فارس پہ شک سے کی۔ اس وقت وہ غصے میں اتنا اندھا ہو جانے والا آدمی تھا کہ زمر بی بی کے انداز پہ اس کا دماغ کھول اٹھ رہا تھا۔ وہ غیر جانبداری سے اپنا کام نپٹا رہی تھی مگر وہ مضطرب تھا' بے چین تھا۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد قاتل پکڑا جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ پولیس آفیسر نہیں ہے' جسے چودہ دن میں تفتیش مکمل کرنی ہو اور چالان جمع کروانا ہو' وہ وکیل ہے اور وکیلوں کی تفتیش تو مہینوں' سالوں چلتی ہے۔ ان دنوں وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی نہیں۔ دماغ پہ چڑھی سرخ دھند نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تک سلب کر دی تھی۔ اسے سب سے زیادہ غصہ زمر پہ آ رہا تھا۔ ملال یا صدمہ نہیں۔ صرف غصہ۔ وہ اس پہ کیوں شک کر رہی تھی؟ ٹھیک ہے وہ اسے اپنی ایلی بائی سے ملوا دے گا' مگر وہ اس پہ شک کر کے اچھا نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ زمر سب سے پہلے اس کو ہر شک اور شبہہ سے پاک کر کے پھر آگے بڑھنا چاہتی ہے تاکہ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھائے کیونکہ وارث کا موبائل اور پھندا اسی کی کار سے ملا تھا' مگر سرخ دھند اسے کچھ سوچنے نہیں دیتی تھی۔ کوئی اس پہ شک کیسے کر سکتا ہے؟ سب اندھے ہیں کیا؟ وہ اپنے بھائی کا قاتل کیسے ہو سکتا ہے' یہ ایسا ''ربش'' تھا جس پہ فارس غازی کے خیال میں کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اس امکان کو ذہن سے خارج کر رکھا تھا۔ مگر یقین کرنا کسے تھا؟ صرف شک ہی کافی ہوتا ہے۔ آدمی کو ''ملزم'' صرف شک بناتا ہے۔ یقین تو مجرم بناتا ہے۔ وہ ملزم بننے جا رہا تھا اور وہ خود اپنی قسمت سے لاعلم تھا۔ سارا دھیان صرف ایک چیز میں اٹکا تھا۔ وارث کا باس۔ الیاس فاطمی۔ صرف وہی جانتا ہے کہ وارث کو کس نے اور کیوں مارا ہے۔

.....❖❖❖.....

کشتیِ جاں ہے کہ ڈوبے چلی جاتی ہے فراز ..... اور ابھی درد کا دریا نہیں طغیانی پر

الیاس فاطمی اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے فائلوں کا انبار لگا پڑا تھا جس کے صفحات کا وہ اسکرین پہ نظر آتے ہندسوں سے موازنہ کر رہا تھا۔ اسٹڈی میں سفید بتیاں جلی تھیں۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند تھے۔ پیچھے ریکس میں ترتیب سے رکھی کتابیں نظر آتی تھیں۔ وہ عینک لگائے کام میں پوری طرح منہمک تھا مگر اس آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ کوئی آہٹ سی تھی شاید۔

وہ چونک کر آگے پیچھے دیکھنے لگا۔ پھر عینک اتار کر فائل پہ دھری اور کرسی سے اٹھا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتا باہر آیا۔ راہداری اور سیڑھیاں نیم روشن تھیں۔ سارا گھر خاموش تھا۔ گہرے سناٹے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج' کچن' لابی' اس نے باری باری ہر جگہ دیکھی۔ دروازوں کے لاکس اور کھڑکیوں کے بولٹس چیک کیے۔ سب مقفل اور پرسکون تھا۔ وہ سر جھٹکتا واپس اسٹڈی میں داخل ہوا' دروازہ بند کیا اور جیسے ہی واپس گھوما' اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

سامنے اس کی کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔ پیر لمبے کر کے اس کی اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے تھے' یوں کہ جو گرز فائلوں کو چھو رہے تھے' اور ٹیک لگائے' بازوؤں کا تکیہ بنا کر گردن کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں اور جب اسے متوجہ پایا تو سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''کیا حال ہیں فاطمی صاحب؟''

فاطمی کی نظریں اس کے وجود سے ہوتی ہوئیں میز تک گئیں' جہاں بریٹا پستول رکھا تھا۔ فارس نے نظروں سے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فاطمی نہیں ہلا۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کا ذہن ممکنہ آپشنز پہ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہاتھ ڈورناب پہ ہنوز جما تھا۔

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو چپ چاپ یہاں آ کر بیٹھ جاتا کیونکہ اگر تم شور کر کے کسی کو بلاؤ گے تو بات پھیلے گی۔ ہاشم سنے گا تو سمجھے گا کہ تم اور میں ملے ہوئے ہیں اور یہ صرف ایک کورآپ تھا' ایک بھونڈی کوشش جس سے تم اس پہ یہ ثابت کر رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملے ہوئے۔ وہ مزید تم پہ شک کرے گا۔''

فاطمی نے ڈورناب چھوڑ دیا۔ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا ہوا وہ سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟ ہاشم کو اپنی اور میری کورٹ میں ہونے والی ملاقات کا جانے کس ڈھنگ سے بتایا ہے تم نے کہ وہ میری ایک ایک موو پہ نظر رکھنے لگا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو تم!''

''بیٹھ جاؤ۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔'' فارس نے پھر سے اشارہ کیا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سکون تھی تھا اور بے نیازی بھی۔ فاطمی چند لمحے کھڑا رہا' پھر بیٹھ گیا۔ ایک گہری سانس لی۔ ''کیا چاہتے ہو تم!''

''تم نے پرسوں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں سچ بولو۔''

''میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' وہ جھڑک کر بولا تھا۔

''تعلق تو ہے' اور تم کورٹ میں اس کے بارے میں بتاؤ گے اور پھر تم....'' فارس نے جو گرز نیچے اتار لئے' آگے کو ہو کر بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم اپنی جاب سے استعفیٰ دے دو گے۔''

فاطمی کی آنکھیں پہلے حیرت اور پھر ناگواری سے پھیلیں۔ ''میں استعفیٰ کیوں دوں؟''

''کیونکہ میں ایسا کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے کیس کا جج' جیوری اور جلاد ہوں۔'' وہ سرد تپش سے لدی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھے بولا تھا۔ ''آج میں تم سے استعفیٰ مانگ رہا ہوں الیاس فاطمی۔''

''اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کیا کرو گے تم؟ مجھے زہر دو گے؟ میری بیٹی کو مارو گے؟ تمہاری اطلاع کے لئے میں اسے باہر سیٹل کروا چکا ہوں۔ وہ تمہاری پہنچ سے اب بہت دور ہے۔'' وہ حقارت سے بولا تھا۔

''مجھے تمہاری بیٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مگر ہاں' تمہارے بیٹے سے ہے۔ تمہارا لاڈلا بیٹا جس کی کار کے لئے تم نے میرے

بھائی کو مصلوب کیا تھا۔ جو باوجود کوشش اور سفارشوں کے مقابلے کا امتحان پاس نہیں کر سکا اور آج کل اسی پرائیوٹ فرم کو چلا رہا ہے جسے اس نے دو ڈھائی سال پہلے بنایا تھا۔ مجھے تمہارے بیٹے سے سروکار ہے۔''

''کیا کرو گے تم میرے بیٹے کا؟'' وہ چونکا تھا مگر ڈرا نہیں۔

''سمپل۔ میں اس کے کمرے میں اسے پنکھے سے لٹکا کر اس کی گردن توڑ دوں گا۔ جان کے بدلے جان۔ گردن کے بدلے گردن۔ اب فیصلہ تم نے کرنا ہے۔'' پستول اٹھا کر جیب میں اڑسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کے لئے بھی الیاس فاطمی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

''تم ایسا نہیں کرو گے۔ میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ بے تابی سے بولا مگر ڈرا اب بھی نہیں تھا۔

''میں نے کہا نا' فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ عدالت میں سچ بولو ورنہ تمہیں تمہارے لاڈلے بیٹے کی لاش بہت جلد پنکھے سے جھولتی ملے گی۔'' پھر ہاتھ ماتھے تک لے کر سلام کیا۔

''پھر ملتے ہیں۔'' اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے بعد ویسا ہی سناٹا چھا گیا۔ الیاس فاطمی اسی طرح بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پہ غصہ بھی تھا' اور تفکر بھی۔ مگر خوف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

فارس اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تاریک اسٹریٹ میں قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔ اس نے چلتے چلتے اسے نکالا۔ اسکرین دیکھ کر لب مسکرا اٹھے۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

''جی۔ حکم!''

''کہاں ہو؟'' خفا خفا سا پوچھا گیا۔

''اسی کے ساتھ ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

زمر خاموش ہوگئی۔ پھر لہجہ سرسری سا بنایا۔ ''مجھے پوچھنا تھا کہ.....''

''بڑا اچھا ریسٹورانٹ ہے یہ۔ پہلے بھی آیا ہوا ہوں میں یہاں' مگر آج زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں۔ ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ ''میں تم سے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری بلیو والی شرٹ.....''

''یار ویسے بہت اچھا کھانا ہے ادھر کا۔ اور یہ کینڈلز بھی بہت اچھی ہیں۔ یا شاید میرا موڈ اچھا ہے۔ پتہ نہیں کیوں' میں کافی انجوائے کر رہا ہوں۔''

''فارس!'' اس نے بمشکل ابلتے غصے کے اوپر بند باندھا۔ ''کل کے لئے تمہارے کون سے کپڑے استری کروانے ہیں' اگر تم بتا دو تو میں صداقت کو.....''

''تم ایسے ہی اس لڑکی کو اتنا غلط سمجھتی ہو۔ ایک معصوم سی خواہش تھی اس کی یہاں کھانا کھانے کی۔ اور وہ میں نے پوری کر دی۔''

''اس نے تمہیں وہ ثبوت دیا یا نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اوہ۔ وہ تو میں بھول گیا۔ اصل میں باتوں میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ.....''

''تم!'' زمر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کو فون کے اندر سے ہی شوٹ کر دے۔ ''تم نا آج رات گھر نہ آنا۔''

''مطلب اجازت دے رہی ہو اس کے گھر رکنے کی۔'' سادگی سے پوچھا تھا۔ زمر نے آنکھیں میچ کر کنپٹی سہلائی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تمہارے کپڑے اب میں کوئی استری وستری نہیں کروارہی۔خود کرنا۔ہونہہ۔'' اور فون کھٹ سے رکھ دیا۔اس کا چہرہ تمتمارہا تھا اور تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''دو نمبر آدمی!''

❖❖❖

اب کیا فریب دیجئے اور کس کو دیجئے ..... اب کیا فریب کھایئے....اور کس سے کھایئے

اگلی صبح شہر پہ اتری تو ایسی گرم اور حبس آلود کہ گویا پتھروں کو بھی پگھلا دے گی۔مقامی چھٹی کی وجہ سے سارہ کو آفس نہیں جانا تھا۔وہ یونہی سستی سے بستر میں لیٹی رہی۔اے سی بھی بند نہیں کیا۔امل اور نور کب کی اٹھ چکی تھیں اور یقیناً اس وقت ناشتہ کررہی تھیں۔سارہ تکیے پہ سر رکھے' چھت کو تکتی رہی۔رہ رہ کر زمر اور فارس پہ غصہ آرہا تھا۔کوئی بھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کررہا تھا۔سب خودغرض بنے ہوئے تھے۔وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی کبھی خفگی سے کسی دور غیر مرئی نقطے کو دیکھتی' کبھی سر جھٹکتی۔اسے ساری دنیا سے شکایتیں ہورہی تھیں۔

وہ سست سی صبح قریبی شہروں پہ بھی طلوع ہورہی تھی' البتہ پشاور کے جس پلازہ پہ سورج اس وقت اپنی ساری حدت برسا رہا تھا' اس میں موجود لوگ کہیں سے بھی سست نہیں لگتے تھے۔زیرِ تعمیر پلازہ کے سیمنٹ زدہ ستون' اور پے در پے منزلوں پہ لگے مٹی اور بجری کے ڈھیر سے ایک طرف نظر ڈالو تو ایک بالائی منزل پہ ہاشم کاردار کھڑا دکھائی دیتا تھا۔وہ پلازے کے ایک وسیع وعریض ہال کے دہانے پہ کھڑا تھا جس کی کھڑکی کی جگہ خلا تھا۔(ابھی چار دیواری' دروازے' کھڑکیاں تعمیر نہیں ہوئے تھے' صرف ڈھانچہ ساستونوں کے ذریعے کھڑا تھا۔)اور اس وسیع خلا سے گویا نیچے سارا شہر دکھائی دیتا تھا۔

ہاشم نیچے نظر آتے منظر سے بے نیاز، برہم موڈ میں کھڑا تھا۔نیوی بلیو کوٹ پہنے' بال جیل سے جمائے' وہ ماتھے پہ بل لئے سامنے والے شخص کو گھور رہا تھا جو کان کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ ہم آپ پہ اعتماد نہیں کرتے یا آپ کا متبادل ڈھونڈ رہے ہیں؟''

''لوگ باتیں کررہے ہیں۔'' وہ دانت پہ دانت جما کر بولا تھا۔

''کاردار صاحب ایسا کچھ نہیں ہے۔ہمیں آپ کے ساتھ ہی کام کرنا ہے۔ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس سعدی یوسف ٹرائل سے آپ کی پوزیشن خراب ہوئی ہے لیکن ہم آپ کے دوست ہیں' آپ کو مشکل سے نکالنے کے لئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔''مجھے اس لڑکے سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کرنا ہے۔اس کی سب سے بڑی کوالٹی یہ ہے کہ وہ صرف تھرکول کا انجینئر نہیں تھا' وہ ایک راکٹ سائنٹیسٹ تھا' جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میزائل ٹیکنالوجی کے معاملے میں بہت اچھا ہے۔ایسے لوگ ماچس کی ڈبی سے بھی بم بنا سکتے ہیں۔مجھے اس کو ٹی ٹی پی کا بم میکر ثابت کرنا ہے' اور آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔''

''ہو جائے گا ثابت' آپ فکر ہی نہ کریں۔آپ بتائیں آپ کو ہم سے کیا چاہیے۔'' وہ پوری ذمہ داری سے اسے یقین دلا رہا تھا.....

سینکڑوں میل دور....اسلام آباد میں سارہ اپنے کمرے سے بے دلی سے نکلی تھی۔بالوں کو جوڑے میں باندھا اور پیروں کو نرم فر کے بنے چپلوں میں گھسیٹتی وہ سست روی سے ڈائننگ ٹیبل تک آئی۔ذکیہ بیگم پچھلے چند دنوں سے کسی فوتگی کے باعث گاؤں گئی ہوئی تھیں۔آج کل میں واپسی تھی۔ان کے بغیر گھر اداس لگتا تھا۔

ملازمہ اسے دیکھتے ہی ناشتہ پوچھنے لگی۔

''بچوں نے ناشتہ کیا ہے؟'' وہ پھلوں کی ٹوکری سے مطلوبہ پھل ڈھونڈتے ہوئے بولی تھی۔

''جی کرلیا تھا۔''

''ابھی کہاں ہیں؟''

''باہر لان میں کھیل رہی ہیں۔''

''اتنی گرمی میں کون سا کھیل کھیل رہی ہیں؟ ویسے تو سارا دن موبائل اور ٹیبلیٹ ہوتے ہیں ہاتھ میں۔ جاؤ ان کو اندر لے کر آؤ۔'' وہ خفا ہوئی تو ملازمہ فوراً باہر کو لپکی۔

سارہ سیل فون پہ انگلی نیچے پھیرتی ای میلز دیکھنے لگی' دوسرے ہاتھ میں سیب تھا جسے وہ کھا رہی تھی' تبھی ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔

''ڈاکٹر صاحبہ.....ڈاکٹر صاحبہ.....'' سارہ نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وحشت زدہ بوکھلائی ہوئی ملازمہ ہانپتی کانپتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ سارے واہمے' سارے ڈر درست ثابت ہونے والے تھے۔

''بچیاں باہر نہیں ہیں۔ چوکیدار کہہ رہا ہے وہ ذرا دیر کو باتھ روم گیا تھا' پھر واپس آیا تو بچے نہیں نظر آئے' اس نے سمجھا اندر چلی گئی ہیں۔''

سیب' سیل فون' ہر شے اس کے ہاتھ سے پھسلی تھی۔ وہ اسی طرح باہر بھاگی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

لان ویران پڑا تھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ پورچ میں کھڑا چوکیدار افسوس سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا بھی سہی۔ سارہ حواس باختہ سی اس کی طرف بھاگی۔

''کہاں ہیں امل اور نور؟'' آواز گھٹی گھٹی سی نکلی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا بیگم صاحب۔ یہ دیکھیں' یہ گیٹ کے اندر پڑا ملا ہے۔''

سارہ نے تقریباً جھپٹنے کے سے انداز میں وہ کاغذ تھاما۔

''آپ کے بچوں کو آپ کی اجازت کے بغیر لے کر جانے کے لئے بہت معذرت مگر پرسوں کی تاریخ کو یادگار بنانے کے لئے یہ ضروری تھا۔

H┘ ý┘ ỹ

''ایچ! پرسوں.....تاریخ!'' سارہ کا دل دور اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی بیٹیوں کو کون لے کر گیا تھا۔۔۔ سب عیاں ہو گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

تُو اگر سن نہیں پاتا تو مجھے غور سے دیکھ ..... بات ایسی ہے کہ دھرائی نہیں جائے گی

مور چال میں بھی وہ صبح سست سی طلوع ہو رہی تھی۔ چھٹی کے باعث ندرت کو ریستوران جلدی جانا تھا اس لئے وہ کچن میں کھڑی حسینہ کو تیز تیز ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی پرس میں موبائل اور بٹوہ بھی اڑس رہی تھیں۔

''آج ایک اہم برنچ اور پھر دو سالگرہ کی تقاریب ہیں' میں گھر چکر نہیں لگا سکوں گی۔ تم یوں کرنا کہ۔''

ان کی آواز باہر ڈائننگ روم تک آ رہی تھی۔ جہاں زمرا تعلق سی کرسی پہ بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتی اپنا موبائل دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے مقابل کہنیاں میز پہ ٹکا کر بیٹھا' مگ ہاتھ میں لئے آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ پھر دفعتاً وہ کھنکارا۔ وہ نظر انداز کیے رہی۔

''کل رات میں.....''

''ابا آپ نے اخبار پڑھ لیا تو مجھے دے دیں۔'' وہ کرسی پہ پیچھے کو گھومی اور لاؤنج میں بیٹھے ابا کو پکارا۔ وہ عینک ناک پہ لگائے اخبار کھولے سر جھکائے جواباً بولے۔

''تم کب سے صبح صبح اخبار پڑھنے لگیں۔ساری خبریں تو موبائل پہ پڑھ لیتی ہو۔''

فارس ہلکا سا مسکرایا۔''یہ دیکھنا چاہ رہی ہیں کہ شاید میری تیسری شادی کی خبر لگی ہو۔''جہاں زمر نے مڑ کر اسے گھورا' وہاں ابا نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔''مذاق کر رہا تھا۔''اور ذرا رخ موڑ کر چائے پینے لگا۔(سارا خاندان ہی....)

دفعتاً اس کا سیل فون بجنے لگا۔اس نے عام سے انداز میں موبائل اٹھایا' پھر ذرا ٹھہرا۔''سارہ کا فون ہے۔''ہلکا سا بڑبڑایا۔زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شاید وہ witness prep کے لئے آنا چاہتی ہوں۔''زمر کو اب بھی امید تھی۔

فارس نے موبائل کان سے لگایا اور بشاشت سے ہیلو کہا۔دوسری طرف سے اس کے الفاظ سن کر اس کی رنگت بدلی۔ابرو اکٹھے ہوئے۔چونک کر زمر کو دیکھا۔پھر''جی.....جی۔''کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کسی انہونی کا احساس تھا یا کیا' زمر اس کے پیچھے لپکی۔جب تک وہ اندر آئی' وہ فون رکھ چکا تھا' اور والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔چہرے پہ شدید پریشانی تھی۔

''کیا ہوا؟''فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر دبی آواز میں بولا۔

''وارث کی بیٹیاں....صبح صبح کوئی ان کو لے گیا ہے۔سارہ بہت رو رہی ہیں۔ہمیں ان کے پاس جانا ہوگا۔''

''اوہ میرے اللہ!''اس کا دل دہل گیا تھا۔''میں ندرت بھابھی کو....''وہ مڑنے لگی تھی کہ فارس نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''ان کو اور بڑے ابا کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔حنین اور اسامہ ویسے بھی سو رہے ہیں۔خواہ مخواہ بات مزید بگڑے گی۔صرف سعدی کو بلاؤ' اور ہم تینوں وہاں جاتے ہیں۔میں پولیس کو کال کرتا ہوں۔''پھر وہ چابیاں اٹھائے باہر کو لپکا تھا۔

.....❖❖❖.....

کیا سانحہ ہوا ہے' یہ آنکھوں کو کیا خبر ..... منظر نہیں رہا کہ اجالا نہیں رہا

دوپہر کا سورج آگ برسا برسا نہیں تھک رہا تھا۔گویا سب کے دل اندر تک جلا ڈالے تھے۔لاؤنج میں صرف سارہ کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ذکیہ بیگم مسلسل اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ روئے جا رہی تھی۔زمر سامنے مغموم سی بیٹھی تھی اور سعدی بالکل خاموش' سر جھکائے ہوئے تھا۔وہ سارہ سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

دفعتاً فارس موبائل جیب میں رکھتا اندر داخل ہوا۔

''ہمیں پولیس اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے' پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔مختلف جگہوں پہ ناکہ بندی کی جا رہی ہے' سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج کے ذریعے پتہ چلائے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کس کار میں سوار تھے۔ایک دفعہ کار مل جائے تو پھر ان کو ڈھونڈنا آسان ہوگا۔''پھر وہ اس کے سامنے بیٹھا جس کی آنکھیں رو رو کر گلابی ہو رہی تھیں۔

''سارہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ہم ان کو شام سے پہلے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔''

سارہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔''فارس میں اپنے بچوں کے بغیر کیا کروں گی۔کیا اسے اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ وہ میرے بچے کیسے لے جا سکتا ہے۔''

''ہاشم سے ہر چیز کی امید کی جا سکتی ہے۔''زمر نے جھرجھری لی تھی۔

''نہیں!''سعدی نے سختی سے نفی میں سر ہلاتے چہرہ اٹھایا۔''ہاشم کسی کے بچے نہیں اٹھا سکتا۔ہاشم....میرا مطلب ہے....وہ چھوٹے بچوں کو اس سب میں انوالو نہیں کرے گا۔''

''تمہیں اب بھی ہاشم سے امید ہے۔'' زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ بچوں کو یتیم کر سکتا ہے' دوسروں کی بہنوں کو استعمال کر سکتا ہے' کسی کے بچے کو ہسپتال سے اغوا کر سکتا ہے' مگر ہاں وہ بچوں کو اٹھوا نہیں سکتا۔''

''پتہ نہیں۔'' سعدی نے سر جھٹکا۔

''اس نے نوٹ پہ اپنے نام کا حرف سائن کیا ہے سعدی۔'' سارہ روتے ہوئے بولی تھی۔ ''اور وہ 'نوٹ پرنٹڈ ہے' ہم اس سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے' مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ پھر اس نے فارس کو دیکھا۔ ''پلیز میرے بچے واپس لا دو مجھے۔ کچھ کرو فارس۔''

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں نا سارہ' وہ شام سے پہلے گھر ہوں گی۔ آپ تھوڑا سا حوصلہ کریں۔'' وہ اسے مسلسل تسلی دے رہا تھا۔

سعدی اٹھ کر ایک دم باہر نکل گیا۔ زمر چند لمحے بعد اس کے پیچھے گئی۔

وہ برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' دور آسمان کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بہت اداس لگتا تھا جیسے اس کا بہت کچھ سورج کی حدت میں بھاپ بن کر اڑ گیا ہو۔ کھو دیا ہو۔

''ہاشم ایسا کر سکتا ہے سعدی۔''

''ہاں واقعی۔ اس دنیا میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے کھڑی رہی' بیٹھی نہیں۔ اور وہ اسی طرح دور آسمان کو دیکھتا رہا۔

''تو تم نے دو لوگوں کی جان لی تھی!'' اس نے موضوع چھیڑا۔ سعدی کے اندر تک انی سی اتر گئی' مگر بہت ضبط سے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سیلف ڈیفینس۔''

''ہاشم تم پہ حملہ کروا سکتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔''

''وہ سب ہاشم نے نہیں اس کی ماں نے کروایا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔ یہ بات اس کے لئے نئی تھی۔

''وہ مجھ سے خوفزدہ تھیں۔ میرے پاس ایک راز ہے ان کا۔''

''کیسا راز؟'' عقب سے آتے فارس نے پوچھا۔ وہ بھی اس بات پہ چونکا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ دونوں نے حیران نظروں کا تبادلہ کیا' مگر سعدی اسی طرح بیٹھا رہا۔

''ابھی بتانے کا فائدہ نہیں ہے۔ اور اس وقت تو قطعاً نہیں۔'' پھر اس نے آنکھوں کو انگلیوں سے مسلا۔ ''مجھے سارہ خالہ کو کبھی یوں فورس نہیں کرنا چاہیے تھا گواہی کے لئے۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کا...''

فارس نے اکتا کر اسے دیکھا۔ ''Will you pleaseshutup?'' اور واپس اندر کی طرف مڑ گیا۔ ماحول ہنوز بوجھل تھا اور وہ دونوں بالکل چپ کھڑے تھے۔ کہنے کو گویا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

کوئی بھی زعم' کوئی بھی دعویٰ نہیں رہا ..... خود پر مجھے کسی کا بھی دھوکہ نہیں رہا

اس شام قصرِ کاردار میں رنگ و بو کا سیلاب سا نظر آتا تھا۔ سارے گھر' اور سبزہ زار کے درختوں کو خوبصورت روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ وسیع و عریض لونگ روم اور ڈائننگ ہال میں سونیا کی سالگرہ کی themed party زور و شور سے جاری تھی۔ اگلے ہفتے سونیا کو اسکول ٹرپ کے ساتھ باہر جانا تھا اس لئے سالگرہ آٹھ دن پہلے منعقد کی گئی تھی۔ کیک کٹ چکا تھا۔ مہمان ٹولیوں کی صورت گھر کے اندر ادھر ادھر ٹہل

رہے تھے۔احمر کان میں لگے آلے کو درست کرتا سیکیورٹی کے امور کا جائزہ لے رہا تھا۔غرض معمول کی مصروفیات جاری تھیں۔ایسے میں جواہرات مسکرا کر چند حضرات کو کہہ رہی تھی۔

''میں یقیناً اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوں۔جس کے دو جوان بیٹے اس کے دونوں بازو بنے ہوں،اس کا سہارا ہوں،اور ماشاءاللہ دونوں اپنے بزنس میں سیٹ بھی ہوں،اس سے زیادہ لکی کون ہوگا؟'' تفاخر سے وہ کہہ رہی تھی اور سامنے والے تائید کر رہے تھے۔

ادھر ہاشم دو افراد سے ہنستے ہوئے باتوں میں مگن تھا۔آنکھ کے کنارے سے وہ آبدار کو بھی دیکھ رہا تھا جو سب لوگوں کے درمیان بھی الگ تھلگ سی کھڑی دکھائی دیتی تھی۔وہ بار بار اپنے موبائل کو دیکھتی' جیسے بور ہو رہی ہو۔Aqua تھیم کی پارٹی میں جہاں ہر شخص نے سمندری مخلوق جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔(کیونکہ سونیا کا نیا کرش finding dori کے ٹریلر کے بعد سمندری مخلوق تھی) آبدار نے nemo کا نارنجی رنگ زیب تن کر رکھا تھا' مگر سر کا رومال سرخ ہی تھا۔وہ اداس اور بور نظر آتی تھی۔ہاشم گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کنکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔وہ خود مکمل سفید سوٹ میں ملبوس تھا اور سونی کے پوچھنے پہ اس نے کہا تھا کہ وہ آئس برگ ہے۔برف کا تودہ جو نیلے سمندر میں سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔نہ پگھلتا ہے نہ ٹوٹتا ہے اور بڑی بڑی کشتیوں کو ڈبو دیتا ہے۔سونی اسے کافی دیر خاموش ہو کر دیکھتی رہی تھی۔

''میرا میسیج ملا آبدار؟'' جواہرات کی آواز پہ آبی چونک کر مڑی۔سامنے بنی سنوری مسکراتی ہوئی جواہرات کھڑی تھی۔لباس شارک کے جیسا سلور تھا۔اور آنکھوں میں بھی ویسی ہی تندہی تھی۔

''مل گیا تھا۔اور میں نے اس ویڈیو کو تباہ کر دیا ہے۔مکمل ختم۔اب کوئی آپ کو اس کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا۔اس لئے بے فکر رہیے۔'' وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' جواہرات بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔

''تو میں کیا کروں؟'' وہ شانے اچکا کر اکھڑ سے انداز میں بولی تھی۔

یہاں سے ہاشم کو آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں مگر انداز سارے عیاں تھے۔وہ ان دونوں کے بیچ کی ساری حدت محسوس کر سکتا تھا۔سو اپنے مصاحبین سے معذرت کر کے آبی کی طرف آیا۔

''ریڈ۔تم ٹھیک ہو؟'' نرمی سے اسے پکارا۔جواہرات اس کی آواز سنتے ہی آگے بڑھ گئی۔البتہ آبی اسے دیکھ کر جبراً ذرا سا مسکرائی۔

''ہاں۔بالکل۔'' پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔''سونیا کی سالگرہ کی تقریبات کی بہت شہرت سنی تھی کراچی میں۔یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں اس میں شرکت کر رہی ہوں اور۔کافی لطف اندوز ہو رہی ہوں۔''

''مگر....'' وہ مسکراتے ہوئے اسے غور سے دیکھ کر بولا۔''مجھے ایسا لگتا ہے تم بار بار کسی کے میسیج یا کال کے انتظار میں ہو۔''

آبی کی رنگت ذرا بدلی' مگر سنبھل کے مسکرائی۔''بابا نہیں آئے نا۔تو سوچ رہی ہوں ان کے آنے کی امید رکھوں یا نہیں۔''

''اچھا۔'' اس نے سر کو خم دیا۔مگر اسے یقین نہیں آیا تھا....یہ تڑپ یہ بے تابی سب بہت عیاں تھا۔

دور کھڑی شہرین نے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے تیکھی نظروں سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ہاشم ایک نئی اڑان کی تیاریوں میں تھا۔یوں شہری کا تعلق اس محل سے ٹوٹنے کے قریب تھا۔یہ شاہزادی اسے کہاں داخل ہونے دے گی دوبارہ؟ اب وہ کیسے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے' اس کا ذہن ناکام قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔فرسٹریشن سی فرسٹریشن تھی۔وہ کیا کرے؟

.....❖❖❖.....

میں چاہتا ہوں دل بھی حقیقت پسند ہو ..... سو کچھ دنوں سے میں اسے بہلا نہیں رہا

شام کے سایے گہرے ہو رہے تھے۔سارہ کے لاؤنج میں بیٹھے افراد کی سوگواریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔کسی نے بتیاں نہیں

جلائی تھیں۔ پورچ اور ٹی وی کی روشنی نے ہی کمرے کو مدھم سا روشن' مدھم سا اندھیر کر رکھا تھا۔ ایسے میں فارس بیرونی دروازے سے داخل ہوا تو سعدی بے اختیار کھڑا ہوا۔ سارہ نے بھی امید سے اسے دیکھا۔ اس کے آنسو اب خشک تھے مگر آنکھیں سرخ تھیں۔ ان میں امید بھی تھی اور خوف بھی۔

''کیا ہوا؟ کچھ پتہ چلا۔''

فارس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''کسی نے انہیں جاتے نہیں دیکھا' کسی جگہ نہیں ہیں وہ۔''

سارہ اسے دیکھتی رہی۔ پلکیں گرائیں نہیں۔ بس خشک آنکھیں اس پہ جمائے رکھیں۔ وہ سعدی کو کیس کی پراگریس بتا رہا تھا۔ پولیس کے ناکے' سی سی ٹی وی ٹریل' یہ وہ۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' ایک دم سارہ پھٹ پڑی تھی۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم سب ذمہ دار ہو۔'' وہ گلابی آنکھوں سے نفرت سے فارس اور سعدی کو دیکھ رہی تھی۔

''تم لوگوں نے میرے بچوں کو ایک اور تجربے کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی لئے نہیں رکھتی تھی میں تم سے کوئی تعلق۔ اسی لئے تمہاری طرف آنا جانا چھوڑ رکھا تھا' کیونکہ تم لوگوں کی وجہ سے میں مصیبت میں پڑوں گی' میرے بچے نقصان اٹھائیں گے۔ تم لوگوں نے دھکیلا ہے ہمیں اس سب میں۔''

لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی کچھ نہیں بول پا رہا تھا۔

''سارہ' وہ بچوں کو نقصان نہیں دے گا' تھوڑا سا صبر کریں' ہم....'' فارس نے کہنا چاہا۔

''صبر؟'' وہ ایک دم اٹھی' کشن پرے پھینکا اور فارس کو دیکھ کر غرائی۔ ''کتنا صبر؟ آٹھ ماہ صبر کروں جیسے سعدی کی ماں نے کیا؟ آٹھ ماہ سے پہلے تو نہیں چھوڑیں گے وہ میرے بچوں کو۔ نہ کوئی کال آئے گی' نہ تاوان مانگا جائے گا۔ میں تو پہلے ہی نہیں دے رہی تھی گواہی' پھر کیوں

اٹھایا میرے بچوں کو۔'' آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے۔ ''میں نے تو بار بار کہا تھا سب کو کہ میں گواہی نہیں دوں گی۔ پھر کیوں کی میری گود خالی؟''

''آپ کوئی گواہی مت دیں سارہ' بس دعا کریں' ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔'' زمر نے کہنا چاہا مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ اب کسی کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا غم اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔

فارس جو ابھی تک کھڑا تھا خاموشی سے واپس مڑا تو سعدی بول اٹھا۔

''آپ کدھر جا رہے ہیں؟''

''ہاشم سے ملنے۔'' وہ سپاٹ سرد سے انداز میں بولا تھا۔

''میں بھی آؤں گا۔'' وہ اس کی طرف لپکا تو زمر دہل کر آگے آئی۔

''پاگل ہو تم سعدی؟ اس کے گھر دعوت ہے آج' ایک دنیا ہوگی وہاں۔ تم نہیں جا سکتے ادھر۔ تم اس سے نہیں مل سکتے۔''

''مگر مجھے جانا ہے!'' وہ دکھی لگتا تھا۔

''تم یہیں رکو' صرف میں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا واپس بیٹھو....'' فارس نے سختی سے منع کیا تو سعدی برے موڈ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا۔

وہ باہر نکلا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آواز آئی۔ وہ اکتا کر گھوما۔

''سعدی میں نے بولا ہے نا' تم.....'' وہ ٹھہر گیا۔ سارہ پیروں میں چپل ڈالتی آنکھیں رگڑتی آ رہی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''ہرگز نہیں سارہ!'' وہ تیزی سے پریشان ہو کر بولا تھا۔ سارہ نے رک کر اسے دیکھا تو آنکھوں سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

''تم مجھے روک سکتے ہو؟ تم مجھے روک سکتے ہو کیا؟''

اور فارس کو احساس ہوا وہ واقعی اسے نہیں روک سکتا۔ وہ اس وقت صرف ایک ماں تھی۔

❖❖❖

یوں پھر رہا ہوں کانچ کا پیکر لئے ہوئے ..... غافل کو یہ گمان ہے کہ پتھر نہ آئے گا

قصرِ کاردار کے لونگ روم میں اونچے سروں میں بجتی موسیقی اپنے عروج پہ تھی۔ کھانا کھایا جا رہا تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ ایسے میں اس سب سے بے نیاز نوشیرواں اپنے کمرے میں بے سدھ لیٹا' چھت کو تک رہا تھا۔ باہر کا ماحول اسے بے زار کر رہا تھا۔ وہ تیار تک نہیں ہوا تھا۔ یونہی شب خوابی کے لباس میں لیٹا تھا۔ دراز آدھی کھلی نظر آتی تھی' اور اندر رکھی پڑیاں ملفوف دکھائی دیتی تھیں' گویا سفید پاؤڈر کی طلب سے دراز کھولی مگر بے زاری سے وہیں چھوڑ دی۔ آج اس سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اب کوئی غم یوں مٹانے سے نہیں مٹتا تھا۔ اب کیا دوا کی جائے اس مرض کی؟

نیچے لاؤنج میں آؤ تو ہاشم ایک دفعہ پھر آبدار کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں میں پلیٹیں اٹھا رکھی تھیں اور وہ بات کرنے کے ساتھ کھا بھی رہے تھے۔

''میں.... کیس لڑ رہا ہوں۔'' اس نے نگاہیں آبی کے چہرے پہ جمائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ آبی نے نگاہیں چرائیں۔

''میں.... نکال رہا ہوں اپنے خاندان کو اس میں سے۔'' وہ اسے باور کروا رہا تھا۔

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں اب آگے بڑھ چکی ہوں۔'' وہ ادھر ادھر دیکھتی ایک دم غیر آرام دہ سی لگنے لگی تھی۔

''مگر یہ سب تم چاہتی تھیں۔'' آبی نے آنکھوں میں ایک دم تندی بھر کے اسے دیکھا۔

''لیکن کیا تم نے میرے کہنے پہ یہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ تم نے یہ کیوں کیا مگر تم نے مجھے صاف انکار کر دیا تھا' مائی ڈیئر گریم ریپر۔ اور اب تم خود کو اس اسکینڈل سے نکال لو تو بھی کیا۔ تمہاری پارٹی میں اس دفعہ اتنے لوگ نہیں آئے کہ تم لان بھر سکو۔ اور جو آئے ہیں وہ مسلسل ٹرائل کی باتیں کر رہے ہیں۔''

ہاشم کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ بہت ضبط سے کچھ کہتا' کان میں لگا آلہ کچھ بولا۔ ہاشم کے تاثرات اچنبھے میں بدلے۔

''فارس؟ آر یو شیور؟ وہ ادھر کیوں آیا ہے۔'' کان پہ ہاتھ رکھ کے وہ کف لنک میں لگے آلے میں بولا تھا۔ وہ جتنا حیران ہوا تھا' آبی اتنی ہی چونکی تھی۔

''فارس آیا ہے؟'' وہ بے اختیار بولی تھی۔ ہاشم تیزی سے باہر کو لپکا۔ وہ چند لمحے تو ہکا بکا کھڑی رہی پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

گیٹ کے باہر نیچے کو جاتی سڑک پہ کار کھڑی تھی اور دو افراد دروازے کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے گرد آدھ درجن گارڈز چوکنے سے کھڑے تھے۔ گویا ادھر وہ کوئی حرکت کریں' ادھر وہ انہیں شوٹ کر دیں۔ ہاشم تیز قدموں سے چلتا داخلی چوکی تک آیا۔ اسے دیکھ کر سب اس طرف متوجہ ہوئے۔

''کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟'' گھر کی بیرونی چار دیواری کی بتیوں کے باعث سارا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم گیٹ کے قریب آیا اور اسے کھولا۔

فارس اس کے پکارنے پہ اس طرف گھوما۔ ہاشم کے کندھے کی اوٹ سے آبی نے دیکھا۔ وہ رف سی جینز اور پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا اور ماتھے پہ گہری سلوٹیں۔ وہ تیر کی سی تیزی سے ہاشم کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے پکڑا۔

''کدھر ہیں امل اور نور؟ ہاں؟'' وہ غرایا تھا۔ جہاں آبی سن رہ گئی وہاں بہت سی گنز اس کی طرف تن گئیں۔

''Hands off!''

ہاشم نے جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو نیچے جھٹکا۔ اور ایک قدم پیچھے گیا۔ ایک گارڈ نے گیٹ بند کر دیا۔ ایسے میں سارہ بھر کر گیٹ کے قریب آئی۔

ہاشم اب سلاخوں والے دروازے کے پار کھڑا تھا۔ وہ اس سے دو فٹ فاصلے پہ رکی' اور سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے بلند سا غرائی۔

''میرے بچے کہاں ہیں؟''

ہاشم نے کالر جھاڑتے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری اپنے کندھے کے پیچھے کھڑی حیران سی آبدار پہ ڈالی۔ پھر چہرے پہ برہمی لاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔''

''ہاشم کاردار.... تمہارے آدمی صبح میری بچیوں کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میں.... ان کی ماں.... ان کے باپ کے قاتل سے پوچھنے آئی ہوں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔'' وہ چلا کر بولی تھی۔ فارس اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک گارڈ اس کے چلانے پہ برہمی سے اس طرف بڑھنے لگا تو فارس نے فوراً جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک دم سے بہت سی گنز کے لوڈ ہونے کی آواز آئی۔ فارس نے آہستہ ہاتھ باہر نکالا تو اس میں سیل فون تھا۔

''اگر تم لوگوں نے ہمارے ساتھ ذرا سا بھی غلط سلوک کرنے کی کوشش کی تو میں ایک بٹن دباؤں گا اور سوشل میڈیا پہ یہاں کی live feed جانا شروع ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے سامنے تم اور تمہارے بندے آن ائیر ہوں گے' اس لئے بندوقیں.... نیچے.... کرو۔'' وہ جھڑک کر بولا تھا۔ آبی صرف اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ وہ ابھی تک سُن تھی۔

''ہوا کیا ہے؟'' ہاشم نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی' ساتھ ہی گارڈز کو اشارہ کیا' انہوں نے اسلحہ نیچے کر لیا۔

''ہاشم میرے بچے کہاں ہیں؟'' وہ پھر حلق کے بل چلائی تھی۔

''میں آپ سے پوچھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحبہ کہ ہوا کیا ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

''ہاشم!'' وہ ایک قدم مزید آگے آئی' اور ان آہنی سلاخوں کو تھاما جو دونوں کے بیچ حائل تھیں۔ نگاہیں لمحے بھر کے لئے بھی اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر وہ غرائی تھی۔ ''تم کیا سمجھتے ہو؟ میں کوئی ڈرپوک عورت ہوں۔ بزدل ہوں؟ تم نے سمجھا کیا ہے مجھے؟ ایک کم ہمت عورت؟'' حقارت سے اس نے سر جھٹکا۔ ''ہاشم کاردار' میں وہ عورت ہوں جس کے نیچے دو ہزار مرد تھر کے ان صحراؤں میں کام کرتے ہیں جہاں تمہارا یہ ائیر کنڈیشنڈ پہ پلنے والا جسم دس منٹ میں پگھل جائے۔ میں وہ عورت ہوں جو میزائل بناتی ہے' bombs بناتی ہے۔ میں اگر محتاط تھی' تمہاری طرف سے مصلحت سے کام لے رہی تھی' تو اس کو تم میری کمزوری مت سمجھنا۔ میری انگلیوں کے چند clicks اور ایک ڈرون کی مار ہے تمہارا یہ سارا محل۔ میں اس قابل ہوں ہاشم کہ تمہیں تمہارے اس محل سمیت زمین بوس کرنے میں مجھے چند کلکس اور ایک ڈرون کی ضرورت ہوگی۔ اور یقین مانو' میرے خلاف کوئی ایف آئی آر بھی نہیں کٹے گی' کیونکہ میں حساس ادارے کی سائنسدان ہوں۔ میرے پاس

بہت سی پروٹیکشنز ہیں۔ سو میری بات سنو' اگر..... "انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "میرے بچے ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس گھر نہ آئے تو تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

"Sorry to Interrupt" ہاشم پرسکون سا کھنکھار کر بولا۔ "مگر آپ لوگ یہ ڈرامہ کہیں اور جا کر کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سوشل میڈیا پہ چند hits لینے کے لئے اس طرح کے ناٹک کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ میں.... بچوں سے جنگ کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔" حقارت سے ان کو دیکھا اور پھر ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ "ناؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔ میں ذرا مصروف ہوں۔" اور واپس مڑ گیا۔ سارہ ابھی تک اونچی آواز میں کچھ بول رہی تھی' شاید وہ بددعائیں دے رہی تھی۔ فارس اب اسے واپس لے جا رہا تھا مگر وہ غصے سے چلائے جا رہی تھی۔

ہاشم چند قدم چل کر رکا۔ اور چونک کے آبی کو دیکھا۔ وہ پیچھے آتے آتے رک گئی تھی۔ بالکل ششدر۔ گم صم۔

"تم نے ان کے بچے اغوا کر لئے؟" وہ بے یقین تھی۔

"اوہ کم آن۔" وہ کراہا تھا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔"

آبی نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور نفی میں سر ہلایا۔ "سعدی کی دفعہ بھی تم نے یہی کہا تھا۔"

ہاشم چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے منہ پہ جیسے آبی نے ایک دفعہ پھر بیلچہ دے مارا تھا۔ وہ اس کو تاسف سے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی' اور وہ بالکل منجمد کھڑا رہ گیا تھا۔ برف کے مجسمے جیسا۔ ٹھنڈا اور بے جان۔

.....❖❖❖.....

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج ..... بٹ نہ جائے تیرا بیمار مسیحاؤں میں

سارہ جب واپس گھر میں داخل ہوئی تو وہ کافی تھکی تھکی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ رات اترنے لگی تھی اور ساری امیدیں دم توڑتی جا رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر سعدی اور زمر بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے۔

"کچھ پتہ چلا؟ کیا کہا اس نے؟" سعدی نے پوچھا تھا۔ زمر چپ رہی۔ بالکل چپ۔

فارس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ سارہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی۔ گھٹنوں پہ تھوڑی جما دی اور خشک آنکھوں سے دور خلاء میں دیکھنے لگی۔

سب خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں عجیب وحشت زدہ سا سناٹا چھا گیا۔ سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی' یا خشک آنسوؤں کی۔

"پولیس...." زمر نے فارس پہ نگاہیں جمائے یک لفظی استفسار کیا۔ اس نے گہری سانس لی۔ "کچھ معلوم ہوگا تو وہ بتائیں گے۔ ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا۔" زمر بس اسے دیکھتی رہی۔ کچھ بولی نہیں۔ وہ کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

جانے کتنے منٹ گزرے' کتنی گھڑیاں بیتیں جب باہر آوازیں سنائی دیں۔ ہلچل۔ بولنے کی آوازیں۔ گاڑی کے کھلتے بند ہوتے دروازے۔ انجن کے چلنے رکنے کی آواز۔ امل کی آواز۔ فارس تیزی سے اٹھا مگر سارہ اس سے پہلے ہی ننگے پیر باہر بھاگی تھی۔ برآمدے میں آ کر وہ رک گئی۔ گویا منجمد ہو گئی۔

گیٹ سے امل اور نور اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ ساتھ میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں گفٹ پیکس تھے' اور شاپنگ بیگز بھی۔ سارہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ پھر کوئی سکتہ سا ٹوٹا۔ وہ بھاگی' اور ان دونوں کو خود سے لپٹا لیا۔ ان کے چہرے چھوئے۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ پریشانی سے وہ ان کو جیسے ٹٹول رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟ تم لوگ کدھر تھے؟ انہوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہے تھے۔ بچیاں اس کے انداز سے ایک دم الجھن کا شکار ہو گئی تھیں۔ اور تبھی سارہ کو احساس ہوا کہ گیٹ سے کوئی اور بھی اندر داخل ہو رہا ہے۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے چہرہ

اٹھایا۔

''ہم ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گے سارہ خالہ؟'' اندر داخل ہوتی حنین بہت برا مان کر بولی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی شاپنگ بیگز اور گفٹ ریپر کی رول شدہ sheets تھیں۔ سارہ نے بچیوں کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ متحیری کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے حنین اور اس کے پیچھے آتے سیم کو دیکھا۔

''حنین.... بچے تمہارے ساتھ تھے؟'' پیچھے سے سعدی حیران سا آگے آیا تھا۔ زمر اور فارس ناسمجھی کے عالم میں برآمدے میں ہی رک گئے تھے۔

''ہا!'' سعدی کو دیکھ کر بچیوں نے خوف سے چیخ ماری۔ ''اوہ نو۔''

''آپ ادھر کیا کر رہے ہیں بھائی۔'' حنین پریشانی سے چلائی تھی۔ پھر ان تینوں کزنز نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گفٹس کو دیکھا۔

''سارا سرپرائز خراب کر دیا۔''

''تم.... تم لے کر گئی تھیں ان کو حنین؟'' سارہ کے لب بے یقینی سے پھڑپھڑائے تھے۔

''کیا مطلب؟ آپ کو میرا نوٹ نہیں ملا؟ سوری میں نے آپ سے پوچھا نہیں' مگر صبح صبح پروگرام بنا' اور ہم لوگ جلدی میں تھے۔ کل بھائی کی سالگرہ ہے نا' ہم نے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی کی تیاری کرنی تھی۔ صبح سے شاپنگ کر رہے ہیں' اور پھر ریسٹورانٹ کے اوپری ہال کو سجا رہے ہیں۔ اُف پورے دن کی محنت اور سارا سرپرائز ختم ہو گیا۔'' وہ روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی۔

''حنین تم میرے بچوں کو مجھ سے پوچھے بغیر کیسے لے جا سکتی ہو؟'' سارہ حلق کے بل چلائی تھی۔ حنہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ایک دم سعدی اور سارہ اس پہ ایک ساتھ غصہ کرنے لگے تھے۔

''حنین تم اتنی غیر ذمہ دار ہو۔ حنین تمہیں احساس ہے تم نے کیا کیا ہے۔''

''کیا یار۔ میری کزنز ہیں۔ میں لے جا سکتی ہوں۔ اور امی تھیں ریسٹورانٹ میں ہمارے ساتھ۔ وہ تو آج سگنل نہیں آ رہے تھے' نہ مال میں نہ ریسٹورانٹ میں ورنہ میں کال کر دیتی۔ کیا ہوا؟ آپ لوگ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟''

''ماما آج اتنا مزا آیا۔''

''لیکن اب تو سارا سرپرائز خراب ہو گیا۔'' وہ تینوں لڑکیاں ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ اور اسامہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

''آپ کو چوکیدار چاچا نے نہیں بتایا؟ شاید یہ اس وقت ادھر تھے نہیں۔ ورنہ ہمارے ساتھ ریسٹورانٹ کا ڈرائیور تھا اور.....''

وہ چاروں بچے' اس وقت بڑوں کے شدید عتاب اور لعن طعن کے زیرِ اثر تھے۔ وہ الگ روہانسے ہو رہے تھے کہ آپ نے ہمارا سارا سرپرائز خراب کر دیا۔ مگر سارہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ڈانٹے جا رہی تھی۔ امل کو تو اس نے ایک تھپڑ بھی لگا دیا تھا۔ فارس کچھ کہنے کے لئے آگے بڑھا تو زمر نے اسے بازو سے تھام کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدرے حیران ہوا مگر اس کے انداز میں کچھ تھا جو وہ اس کے پیچھے آیا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اس کی طرف گھومی اور سینے پہ بازو لپیٹ کر تندہی سے اسے دیکھتی بولی۔ ''یہ کیا تھا؟''

''کیا مطلب کیا تھا؟ ایک غلط فہمی تھی۔'' وہ حیران ہوا تھا۔

''پتہ ہے میں صبح سے سوچ رہی تھی کہ تم ایسے بھاگ دوڑ نہیں کر رہے جیسے تمہیں کرنی چاہیے۔ ہر چیز پولیس پہ چھوڑے بیٹھے ہو مگر تمہارے اور سارہ کے جانے کے بعد میں نے ایس پی صاحب کو کال کی' اور پھر متعلقہ تھانے میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے سرے سے پولیس کو کال کی ہی نہیں تھی۔ اور صبح آپ نے مجھے منع کیا کہ میں ندرت بھابھی کو نہ بتاؤں۔ اور ماشاءاللہ تہجد کے وقت سے آپ جاگے ہوئے تھے آج' اور آپ نے بولا کہ حنین اور اسامہ سو رہے ہیں جبکہ وہ تو صبح سے نکلے ہوئے تھے۔ سو میرا نہیں خیال کہ یہ کوئی غلط فہمی تھی۔''

''اچھا' تو مجھے گرفتار کرلیں' پراسیکیوٹر صاحبہ!'' وہ اس کی طرف جھک کر تپانے والے انداز میں بولا تھا۔

''یہ سب تمہارا پلان تھا' ہے نا۔'' وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔ احتیاط سے دروازے کو بھی دیکھ لیتی جس کے باہر وہ سب ابھی تک بول رہے تھے۔ ''تم سارہ کو اتنا خوفزدہ کر کے کیا کرنا چاہ رہے تھے۔''

''آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ کیوں؟ آپ نے نہیں کہا تھا کہ آپ چاہتی ہیں سارہ گواہی دیں۔''

''میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے بچے اغوا کرلو۔''

''اغوا کس نے کیے؟ وہ اپنے کزنز اور اپنی پھپھو کے ساتھ تھے۔ اور وقت پہ واپس بھی آ گئے۔''

''اگر سارہ کو ٹینشن سے کچھ ہو جاتا تو؟ کون ذمہ دار ہوتا؟'' وہ صدمے میں تھی۔ ''تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو... وہ تمہارے بھائی کی بچیاں ہیں۔''

''جس سارہ کو میں جانتا تھا' جو وارث کی موت سے پہلے کی سارہ تھی' وہ بہت بہادر اور باہمت عورت تھی۔ مگر اس کے خوف نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ جو ڈوبنے سے ڈرتا ہو نازمر' اسے پانی میں پھینک دینا چاہیے اور پھر چند ڈبکیاں دے کر نکال لینا چاہیے۔ اس کا سارا خوف زائل ہو جائے گا۔ پھر اسے پتہ چلے گا کہ پانی اس سے زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ اور تب ہی اسے کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر کا احساس ہوگا۔ وہ جان جائے گا کہ وہ خود کتنا خطرناک ہے' کتنا بڑا سروائیور ہے۔ میں صرف سارہ کو اس خوف سے نکالنا چاہتا تھا۔''

''تم پاگل ہو گیا؟ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟'' وہ شدید غصے سے بولی تھی۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں فوراً سے سیدھے ہوئے۔ سارہ مسلسل برہمی سے بولتی اندر آ رہی تھی۔

''انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ تھا یہ تمہارا حنین۔ اور تم دونوں' کیا تم ماں سے پوچھے بغیر کہیں بھی چلی جاؤ گی؟'' وہ ڈپٹ رہی تھی۔ کتنے کتنے خیالات آتے رہے اسے۔ اور وہ شاپنگ کر رہی تھیں؟ سالگرہ کا وینیو سجا رہی تھیں؟ نور نے منمنانے کی کوشش کی (حنہ نے کہا تھا ماما کو نہیں بتانا) مگر امل نے اسے کہنی مار کے چپ کروایا۔ (گرلز سیکریٹس۔ یونو)

''ماما سارا سرپرائز خراب ہو گیا ہمارا۔'' امل اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھی۔ سارہ ان کو لے کر آگے چلی گئی تھی' اور سعدی باہر کھڑا ندرت کو فون کر کے ان کی خبر لے رہا تھا۔ ایسے میں حنین ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی اور معصومیت سے بولی۔

''سوری' بس وہ سگنلز کا پرابلم رہا آج تو.....'' زمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

''ارے ہاں' تم کتنی معصوم ہو' تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ جو دو چار آلوں کو جوڑ کر تم لوگ جیمرز بنا لیتے ہو' وہ تو لگائے ہی نہیں ہوں گے تم نے ریسٹورانٹ میں تاکہ سگنلز بند ہو جائیں۔'' حنین نے فوراً فارس کو دیکھا' اس نے آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ پھر سر جھکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

''اصل میں زمر.....''

''چپ!'' وہ گھرک کر بولی تھی۔ سارہ واپس آ رہی تھی۔ اور وہ بیک وقت غصے' ریلیف اور اکتاہٹ کا شکار تھی۔

''کل ہم سالگرہ پہ آئیں گے فارس' لیکن میں.....'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں بولی۔ ''گواہی' کورٹ' ٹرائل' ان الفاظ کو سننا بھی نہیں چاہتی دوبارہ۔ میرا نام تم لوگ گواہوں کی فہرست سے خارج کرو' اور آئندہ مجھے کوئی کورٹ سمن نہ جاری ہو' سنا تم نے۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' فارس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور تسلی دلائی تھی۔ سارہ نے گہری سانس لی۔ ''میں کھانا لگواتی ہوں۔ بہت ہی hectic دن رہا آج کا۔ اب بیٹھ جاؤ۔ اس سب کو بھول کر کھانا کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' وہ جھنجلائی ہوئی سی کچن کی طرف گئی۔

سعدی فون بند کرتا ان کی طرف آیا اور ایک نظر سارہ کو آگے جاتے دیکھا۔ پھر سوالیہ نظروں سے فارس کو دیکھا۔ ''کیا کہہ رہی تھیں وہ؟''

''وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ گواہی دیں گی' لیکن ابھی ان سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔'' سعدی تو سعدی' زمر اور حنین نے بھی بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''انہوں نے یہ نہیں کہا فارس!''

''انہوں نے یہی کہا ہے۔ ٹرسٹ می!'' اس نے مطمئن سے انداز میں یقین دلایا تھا۔

''اب تو وہ بالکل گواہی نہیں دیں گی' تھینکس ٹو یو۔'' غصے سے حنین کو دیکھا۔ ''ہمارا سب سے اہم گواہ گنوا دیا ہے تم نے۔'' اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

حنین نے ناک سکوڑ کر ''ہونہہ'' کیا اور فارس کی طرف گھومی۔ ''میرا خیال ہے آپ کو تیسری شادی کر ہی لینی چاہیے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے!'' وہ گہری سانس لے کر ملال سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ ''میں ایک فون کر لوں۔'' اور موبائل نکالتا آگے بڑھ گیا۔

.....❖❖❖.....

ماحول میرے گھر کا بدلتا رہا' سو اب ..... میرے مزاج کا تو ذرا سا نہیں رہا

قصر کی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ جواہرات اپنے کمرے میں بیٹھی زیور اتار رہی تھی۔ شارک کا سلور گاؤن پیروں کو ڈھانپتا فرش پہ پھول کی مانند بکھرا پڑا تھا۔ باہر ملازم کیٹرنگ کا سامان سمیٹ رہے تھے اور گھر کو درست حالت پہ لا رہے تھے۔ ایسے میں ہاشم اپنے کمرے کو جاتی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ انداز میں تکان تھی۔ تبھی اس کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا تو لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ فارس غازی کالنگ۔

''کل جب میں جج صاحب کو بتاؤں گا تمہاری اس حرکت کا' کہ کیسے تم لوگوں نے میرے گیٹ پہ ڈرامہ مچایا' تو تمہارا کیس مزید خراب ہوگا۔'' وہ فون کان سے لگائے مسکرا کر بولتا کمرے میں داخل ہوا۔ اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ اتارنے لگا۔

''نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔'' فارس غازی مطمئن سا بولا تھا۔ ''بلکہ پولیس جو فصیح کے قتل کی انکوائری کر رہی ہے' اس کو بھی تم رکوا کے اپنا دعویٰ واپس لے لو گے۔''

''اور میں ایسا کیوں کروں گا' فارس؟'' اس نے گہری سانس لے کر پوچھا تھا۔

''کیونکہ ایک ثبوت ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ سعدی یوسف نے وہ قتل سیلف ڈیفینس میں کیا تھا۔''

''تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے۔'' اس نے کوٹ پرے ڈالا اور حقارت سے بولا۔

''میرے پاس نہیں ہے' واقعی۔ کیونکہ اب وہ تمہارے پاس ہے۔''

''کون سا کھیل کھیل رہے ہو تم؟'' ہاشم بے زار ہوا تھا' مگر وہ چونکا بھی تھا۔

''شاید تم نے اپنی ٹائی پن نہیں دیکھی۔ کیا پارٹی ابھی تک ختم نہیں ہوئی؟''

ہاشم نے بری طرح چونک کے گردن نیچے جھکائی۔ اس کی سلور ٹائی پہ سیاہ ٹائی پن ٹنکی تھی جو کافی اوپری لگ رہی تھی۔ اس نے تو آج ٹائی پن سرے سے پہنی ہی نہیں تھی' تو یہ.....؟ اسے فارس کا اپنا گریبان پکڑنا یاد آیا۔

''میں تمہیں یہ فائل ای میل بھی کر سکتا تھا' لیکن وہ کیا ہے کہ احمر شفیع سے خطرہ رہتا ہے' وہ ہر آنے جانے والی میل پہ نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری ماں کا وفادار لگتا ہے مجھے' اس لئے مجھے امید تھی کہ وہ اسے تم تک پہنچنے نہیں دے گا۔ لیکن چونکہ میں تمہارا کزن ہوں' اور مجھے تم سے ہمدردی ہے' سو میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور دیکھو۔''

''کیا ہے یہ؟'' وہ سختی سے بولا تھا۔ ٹائی پن اتار کر اب وہ اسے انگلیوں میں ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری ماں کا اعمال نامہ!'' اور لائن ڈیڈ ہوگئی۔ ہاشم کے کان سرخ ہوئے' ابرو بھنچ گئے۔ اس نے غصے سے دو چار گالیاں دے ڈالیں گو کہ وہ نہیں سن سکتا تھا' پھر تیزی سے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' ٹیبلیٹ اٹھایا اور یو ایس بی کا پلگ اس میں گھسایا۔ وہ کوئی پھندا' لولی وائرس کچھ بھی ہوسکتا تھا' مگر اس کا ماتھا کسی اور شاہے کی بنیاد پہ ٹھنک رہا تھا۔

اسکرین روشن ہوئی اور اس پہ جواہرات کا ردار کے آفس کا منظر عیاں ہوا۔ وہ اندر آنے والے کیمرہ مین کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ آواز سے وہ فصیح لگتا تھا۔ ہاشم دم سادھے سنتا گیا۔ اس کا سانس گویا رک چکا تھا۔

''خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ گھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لئے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا' اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواہرات کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''مگر ہوسکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔'' اسکرین پہ مسکراتی ہوئی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ہاشم اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹیب ہاتھ میں تھا اور ہاتھ گلابی سرخ پڑ رہا تھا۔

''تم کرو گے فصیح! اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب' کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہوگی۔''

ہاشم کو سانس نہیں آ رہی تھی۔ اس کی رنگت غیض و غضب سے سرخ پڑ رہی تھی۔ وہ ٹیب ہاتھ میں لئے دھڑ دھڑ زینے اتر رہا تھا۔ بار بار آستین سے پیشانی صاف کرتا۔ اسے پسینہ بھی آ رہا تھا۔

جواہرات کے کمرے کا دروازہ اس نے جوتے کی ٹھوکر سے کھولا تھا۔ وہ جو سنگھار میز کے سامنے بیٹھی تھی' چونک کر گردن گھمائی۔ حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں کیا ہوا؟''

ہاشم نے ٹیبلیٹ اس کے سامنے جا کر پٹخا۔ ''یہ کیا ہے ممی؟'' اس کے سر پہ کھڑا اسے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

گردن پہ موسچرائزر ملتے جواہرات کے ہاتھ سست ہوئے۔ اس نے ایک نظر ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ چلتی ویڈیو کو دیکھا' اور پھر چہرہ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

''کیا ہے یہ؟'' اس کی رنگت دھیرے دھیرے بجھ رہی تھی۔

''آپ نے فصیح کو حکم دیا تھا ان دونوں کو مارنے کا؟''

جواہرات نے بہت سا تھوک نگلا اور ٹشو نکال کر ہاتھ پونچھنے لگی۔

''میں نے جو بھی کیا تھا' بہت سوچ سمجھ کر تم دونوں کے لئے کیا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ جب سے آبی کے پاس اس ویڈیو کی موجودگی کا اسے پتہ چلا تھا' وہ خود کو اس لمحے کے لئے تیار کرتی آئی تھی۔

''ممی!'' ہاشم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''آپ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟''

''اگر یہ سب ہو جاتا تو ہم آج اس میس میں نہ ہوتے۔'' وہ جواباً جھڑک کر بولی تھی۔ ''نہ کوئی گواہ بچتا نہ کوئی ثبوت۔ یہ سب تمہیں کرنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کیا تو اس خاندان کی حفاظت کے لئے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اور مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ اپنے خاندان کے لئے مجھے جو ٹھیک لگے گا' میں کروں گی۔''

''آپ نے مجھے دھوکہ دیا۔ آپ نے میری پیٹھ پیچھے اتنا بڑا کام کر دیا۔ ہارون کو راز دار بنایا مجھے نہیں۔'' وہ غصے اور صدمے سے نڈھال

میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سی ٹوٹی کرچیاں تھیں۔

''آپ دھوکے میں اس حد تک جا سکتی ہیں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔''

جواہرات کا دل کانپا' مگر وہ بظاہر خود کو سنبھالے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کا بازو تھامنا چاہا۔ ''ہاشم' میں نے یہ تمہارے لئے کیا تھا۔''

''ہاتھ مت لگائیں مجھے۔'' وہ اپنا بازو پیچھے کرتے ہوئے غرایا تھا۔

''میں نے ممی' آپ لوگوں کے مسئلے حل کرنے میں اپنی خوشیاں اپنی محبت سب کو ثانوی کر دیا ممی' آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا' یوں دھوکہ نہیں دیا' اور آپ.... آپ میرے ساتھ اس حد تک خیانت کی مرتکب ہو سکتی ہیں۔''

''ہاشم' میری بات ٹھنڈے دماغ سے سنو۔'' اب کے اس کی آواز بھی کانپی تھی۔ آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ مگر ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔

''سعدی سچ کہتا تھا۔ وہ دونوں جیل سے اس لئے بھاگے تھے کیونکہ آپ ان کی جان لینا چاہتی تھیں۔ اور کیا کیا جھوٹ بولے ہیں آپ نے مجھ سے؟ کیا میرے باپ کو بھی خاور نے مارا ہے یا خاور کی ڈھال تلے کسی اور کو بچا گئی ہیں آپ؟'' وہ حلق کے بل چلایا تھا۔ غصہ' پسینہ' آنکھوں میں اترا خون۔ جواہرات اندر تک دہل گئی۔

''ہاشم! تم اپنی ماں پہ شک کر رہے ہو؟''

''یقین تو اب کبھی نہیں کروں گا آپ پہ۔ کبھی نہیں۔'' وہ غصے سے چیخا تھا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ ''ہاشم ایک دفعہ میری بات سنو' میں....''

''میں نے کہا مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ اکیلا چھوڑ دیں مجھے۔'' غصے سے بازو چھڑاتا وہ باہر نکل گیا۔ جواہرات کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہاشم کا موبائل تھرتھرایا۔

وہ تہی دست' تہی داماں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی ساری دنیا لمحوں میں بکھر گئی تھی۔

وہ جو کچہری میں روز سجتی تھی' تو وہ نرا ڈرامہ تھی۔ اصل عدالت تو اب لگی تھی۔ جہاں نہ وکالت چلی تھی' نہ صفائیاں۔ اور وہ سارے فیصلے سنا کر چلا گیا تھا۔ وہ دل تھام کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

.....❖❖❖.....

کہتے نہ تھے ہمیشہ رہے گا نہ اتنا رنج ..... گزرے ہیں چند سال ہی، دیکھا، نہیں رہا

اگلی صبح فوڈ لی ایور آفٹر پہ ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔ ساری رات بارش ہوتی رہی تھی' اور اس بارش نے گویا ساری زمین دھو ڈالی تھی۔ ریستوران کے اوپری ہال کے شیشے کی دیوار پہ بوندوں کے سوکھ جانے کے نشان اب بھی موجود تھے۔ وہ ہال غباروں اور دیواروں پہ لگے خوبصورت بیک ڈراپ سے سجا تھا۔ میز پہ تحفے' کیک کا بچا کھچا حصہ' برتن وغیرہ رکھے تھے۔ آگے پیچھے بہت سی کرسیاں رکھی تھیں جن پہ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے تھے۔ تقریب گویا ختم ہونے کے قریب تھی' اور کھانا کھایا جا چکا تھا۔ خیر کھانا کیا تھا' سنڈے برنچ تھا۔ پرسوں کے بجائے آج ہی کر لی گئی تھی دعوت' یوں اس برس نہ سونیا کی سالگرہ اصل تاریخ پہ منائی گئی نہ سعدی کی۔

ایک طرف دو کرسیاں ترچھی کر کے رکھی تھیں۔ ایک پہ زمر بیٹھی پلیٹ اٹھائے کیک کو کانٹے سے توڑنے میں مگن تھی۔ دوسری پہ فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' سوفٹ ڈرنک کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں اس رات....'' ذرا کھنکھار کر گویا ہوا۔ ''آبدار سے ملنے....'' زمر نے نظریں اس کی طرف پھیریں۔ بس اس کے تاثرات

دیکھنے کی دیر تھی' وہ سادگی سے بولا۔ ''آبدار سے ملنے ہی گیا تھا۔''

''معلوم ہے۔ بار بار کیا جتانا چاہ رہے ہو؟'' وہ سخت بیزار ہوئی۔

''نہیں میں تمہارے کپڑے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اس نے بھی یہی رنگ پہن رکھا تھا۔'' اب کے زمر نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔ ''پچھلے دو دن میں تم اس کے کپڑوں کے پانچ رنگ بتا چکے ہو مجھے۔ اب تو مجھے اس بات پہ یقین بھی نہیں آ رہا۔ تم سچ مچ گئے بھی تھے یا....'' کچھ سوچ کر مسکرائی۔ ''ہاشم نے دروازے سے ہی بھگا دیا؟''

''ہونہہ۔ اس کی اتنی مجال۔'' وہ بڑبڑا کر گویا برا مانتا ہوا رخ پھیر گیا۔

''ویسے ہے تو وہ تمہارا کزن' لیکن ایک بات ہے۔ اس کی کلاس' اس کا گریس' اس کا مخالف کو مسکرا کر چت کر دینے کا انداز' یہ سب تم میں اس جیسا نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں ہاشم اگر اچھا آدمی ہوتا تو میں اس کی سب سے بڑی فین ہوتی۔'' فارس نے سافٹ ڈرنک کا گلاس میز پہ پٹخ دیا اور خفگی سے اسے دیکھا جو معصومیت سے بولے جا رہی تھی۔

''اگر تم نے ہاشم کی باتیں ہی کرنی ہیں تو میں اٹھ کر جا رہا ہوں۔''

''جلتے ہو اس سے؟'' ایک اور سوال۔ وہ جواب دیے بنا اسے گھورتے ہوئے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ زمر مسکراہٹ دبائے کیک کا بقیہ حصہ کھانے لگی۔ اب آیا تھا اصل مزا۔

ان سے ہٹ کر دیکھو تو ایک طرف ٹولی بنا کر حنین اور اس کی دونوں کزنز بیٹھی تھیں اور وی کے نشان بنا کر سیلفی لے رہی تھیں۔ ندرت اور ذکیہ بیگم بھی خوشگوار موڈ میں گفتگو میں مگن تھیں۔ ایسے میں صرف سعدی تھا جو ایک ٹیبل کے گرد اکیلا بیٹھا موبائل پہ لگا تھا۔ وہ اداس تھا اور خاموش تھا۔ فارس اس کے قریب آ کر بیٹھا تو اس نے محض سر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر دوبارہ فون کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''پراسیکیوشن آفس سے کال آئی تھی۔ مجھے اب کسی قسم کی انکوائری کے لئے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً ہاشم نے اپنا دعویٰ اور تعاون واپس لے لیا ہے۔ وہ فصیح کی لاش تھی' یا گواہوں نے میرے بارے میں کچھ کہا' سب واپس لے لیا ہے اس نے۔ تھینک یو۔''

فارس نے محض سر کو خم دیا' گویا شکریہ قبول کیا پھر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''مسز کاردار کا کون سا راز ہے تمہارے پاس؟''

''میں اس طرف جانا نہیں چاہتا۔ کچھ راز دوسروں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔''

''ہم نے ایک فیصلہ کیا ہوا ہے سعدی کہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔''

''میں اس فیصلے کے وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔'' وہ مغموم سا مسکرایا تھا۔ فارس خاموش ہو گیا۔

پیچھے سے ندرت کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں لڑکیوں کو ظہر کی نماز کے لئے اٹھا رہی تھیں۔

''اٹھتے ہیں نا امی۔'' حنین نے تابعداری سے کہتے ہوئے ایک اور تصویر بنائی۔

''تم لوگ تو جوان ہو۔ جلدی جلدی اٹھ سکتے ہو' پھر اتنی دیر کیوں لگاتے ہو؟'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ ''جوانی میں دین بائی چوائس ہونا چاہیے' بائی چانس نہیں۔ یہ جس جذبے اور دل سے تم لوگ اس عمر میں عبادت کر سکتے ہو نا' یہ بڑھاپے میں نہیں ہو گا۔ غلط لگتا ہے تم لوگوں کو کہ بوڑھے ہو کر عبادت کی ساری کمی پوری کر لو گے۔ بڑھاپے میں روز کیلشیم کھانا جوانی کے دنوں کے روز تین گلاس خالص دودھ پینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ روح بھی ہڈیوں کی طرح ہے۔ جوانی سے اسے عبادت پہ مائل کرو گے تو بڑھاپے میں دل اور تکلیف کم ہو گی۔''

''اٹھ جاؤ حنہ' اس سے پہلے کہ امی یہ مہذب زبان بدل کر اپنی نارمل ٹون میں واپس آ جائیں۔'' سیم نے حنہ کی طرف جھک کر مشورہ دیا تھا' جو امی نے سن لیا تھا۔ وہ جوتا اتارنے جھکی تھیں۔

''بے غیرت' بے ہدایتے' تجھے تو میں ابھی بتاتی ہوں۔'' سیم فوراً نیچے کی طرف بھاگا تھا۔ بہت سے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

''سوری۔ میں کل کچھ زیادہ ہی بول گئی۔'' سارہ سعدی کے ساتھ آ کر بیٹھی اور نرمی سے بات شروع کی۔ وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پسِ منظر کی ساری آوازوں سے بے نیاز' وہ اس کے سامنے بیٹھی' اب سادگی سے اپنا مدعا بیان کرنے لگی تھی۔ فارس اٹھ گیا۔

''مجھے لگا میں جو کر رہی ہوں' وہ زیادہ بہتر ہے۔ خاموش رہ کر اپنا کام کیے جاؤ' اور اپنے پراجیکٹ کو کامیاب بنا کر کارداروں کو اس مقام پہ شکست دو۔ پازیٹو انرجی سے greatergood کے لئے کام کرو۔ مصلحت پسندی' احتیاط' تھوڑی سی بزدلی' یہ سب تھا میرے اندر' مگر مجھے ہمیشہ لگا کہ میں صحیح انتخاب کر رہی ہوں۔''

''سارہ خالہ!'' وہ اسی اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''ویسے تو اللہ کا قرآن سارے کا سارا بہت خوبصورت ہے' لیکن کچھ آیات دل پہ کسی اور ہی طرح سے اثر کرتی ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں میری سب سے پسندیدہ آیت کون سی ہے؟''

اگر جنین سامنے ہوتی تو ہر روز اپنی پسند بدلنے پہ اس پہ دو چار فتوے تو ٹھونک ہی دیتی مگر سارہ مسکرا کر اسے دیکھتی سنتی گئی۔

''سورالاعراف کی 16 اور 17 ویں آیت۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت کے باغوں سے دھتکار کر دنیا میں بھیجا اور اسے مہلت دی تو اس نے کہا' جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے آگے ان کے پیچھے ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔ سارہ اسے سنے گئی۔ بالکل توجہ سے۔

''میں سوچتا ہوں' ابلیس جب جانتا تھا کہ اللہ کا راستہ سیدھا ہے تو اس نے کیوں چھوڑا اسے؟ اور اگر چھوڑنا ہی تھا تو اسے سیدھا راستہ بولا

کیوں؟'' آپ کے درست راستے پر'' بھی کہہ سکتا تھا مگر اس نے کہا' آپ کے سیدھے راستے پہ بیٹھوں گا۔ شاید ابلیس نے مستقیم سے مراد درست نہیں بلکہ straight (سیدھا) لیا ہو۔ سیدھے راستے کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ذرا سا ترچھا چلو تو شروع میں تو بس سیدھی لائن سے ذرا سا فاصلہ پیدا کر لیتا ہے انسان لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے جاؤ' آپ سیدھی لائن سے مزید دور ہٹتے جاتے ہیں۔ 90 ڈگری کی لکیر سے ایک ڈگری ہٹو تو آگے جا کر آپ سیدھی لائن سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ پھر آپ کو صراطِ مستقیم والی منزل نہیں ملتی۔ راستہ بدلتا ہے تو منزل بدل جاتی ہے۔ اور اس راستے سے ہمیں ادھر ادھر ہٹانے کے لئے شیطان کئی طریقوں سے ہم پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ آگے سے آتا ہے۔ آگے مستقبل ہوتا ہے۔ وہ ہمیں مستقبل کا خوف دلاتا ہے۔ یہ کرو گے تو تمہارا کریئر نہیں بنے گا' تمہاری فیملی کا کیا ہوگا۔''

(سارہ کا چہرہ جھک گیا۔) ''تمہاری شادی نہیں ہوگی' تم یہ اچھا کام کرو گے تو بالکل anti-social ہو جاؤ گے۔ پھر وہ ہمارے پیچھے سے آتا ہے۔ ہمیں ماضی کے کام یاد دلا کر ان کے گلٹ میں ایسا مبتلا کرتا ہے کہ ہم کوئی اچھا کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ وہ کہتا ہے' تمہارے تو ماضی میں اتنے افیئر رہے' اب تو تمہاری شادی بھی اپنے جیسے بدکردار سے ہوگی۔ تم نے ماں باپ کا اتنا دل دکھایا' اب تو تم کبھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔ تم نے نمازیں چھوڑ دیں' اب تو تم کبھی واپس نیک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ دائیں سے آتا ہے۔ ہمیں اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور ہم سے گناہ کرواتا ہے۔ ثواب کا جھانسہ دے کر بدعتیں کرواتا ہے۔ نئے نئے دین میں داخل ہونے والوں کو کہتا ہے اسلام تو ساری خواہشات مارنے کا نام ہے' سوٹاٹ پہ سوؤ اور روکھی سوکھی کھاؤ۔ جو رشتہ دار حرام کا کھاتا ہے اس سے قطع تعلق کر لو۔ سب سے پہلے ماں باپ کو ان کے گناہوں پہ ٹوکو' ہر وقت دوسروں کے عیوب پہ ان کو نصیحت کرو' اور ایسے کئی غلط کام وہ ہمیں ''دین'' کہہ کر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان تینوں راستوں کے بعد وہ آتا ہے بائیں سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ صرف آتا ہی بائیں سے ہے' مگر شیطان کا یہ آخری راستہ ہوتا ہے۔

وہ ہمیں برے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جھوٹ چوری قتل' فحش کام' یہ سب وہ آخر میں کرتا ہے جب اس کو ہمارے بگڑنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ وہ ان کاموں سے شروع کبھی نہیں کرتا۔ آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کے پاس بھی وہ "آگے" سے آیا تھا۔ ان کو مستقبل کا ایک دلفریب خواب دکھایا تھا۔ سو شیطان والے کام صرف "غلط" کام نہیں ہوتے' بلکہ مستقبل کا خوف' ماضی کا غم اور نیکی میں انتہا پسندی بھی شیطان کا جھانسہ ہوتی ہے۔"

"تو پھر قصور ہمارا ہوا یا شیطان کا؟" وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"شیطان تو صرف کہتا ہے' کرتے تو ہم خود ہیں۔ ہم سب آپ کو کہتے رہے' گواہی دیں' آپ نے نہیں بات مانی۔ انسان اپنے آپ کو خوب جاننے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان کے آگے ہم بے بس ہیں۔ کیا آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ شیطان نے چار رستوں کو ڈکر کیا ہے۔ آگے' پیچھے' دائیں' بائیں۔ مگر دو راستے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ اوپر اور نیچے کا راستہ۔" اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ "اوپر ہے دعا کا راستہ اور نیچے....." اس نے نیچے کی جانب انگلی موڑی۔ "نیچے ہے سجدے کا راستہ۔ وہ ان دو راستوں پہ نہیں بیٹھ سکتا۔ جانتی ہیں اس نے اپنے چار راستے کہہ کر کیا کہا اللہ سے؟ اس نے کہا' آپ انسانوں کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔ تو سارہ خالہ' نا سارے مسئلوں کا حل ہے' شکر۔ اور شکر کہتے ہیں قدر دانی کو۔ جو کشتی میں بچے رہنے کی عافیت کی قدر کرتا ہے' اسے ڈوبنے کا خوف نہیں ہوتا۔ جو گمراہی کے بعد ہدایت پا لینے کی قدر کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے' ماضی کے گناہ اس کو غمزدہ نہیں کرتے۔ جو اپنے دین کی آسانیوں کی قدر کرتا ہے' شیطان اس کو دین کے نام پہ بہکا نہیں سکتا' اور چونکہ قدر دان انسان دوسرے انسانوں کی ایک خامی کو دیکھ کر اس کی ساری خوبیوں کی قدر کرنا نہیں چھوڑتا' تو وعظ و نصیحت کے نام پہ شیطان اس سے دوسرے انسانوں کے جذبات نہیں مجروح کروا سکتا۔ اور جس کو اللہ کی قدر ہوتی ہے' وہ برے اور فحش کاموں کی طرف نہیں لپکتا کیونکہ ایسی تسکین کا کیا فائدہ جس کو لے کر بندہ اللہ کو کھو دے۔ تو جو قدر کرنا جانتا ہے' جان کی' امان کی' رشتوں کی' دولت اور وقت کی' ہدایت کی' اس کے اوپر اور نیچے کے راستے کھلتے رہتے ہیں اور وہی اس کی ڈھال بن جاتے ہیں۔ جو ہے' اس کی قدر کیجئے۔ پھر جو نہیں ہے' وہ نہ آپ کو ڈرائے گا نہ غمزدہ کرے گا۔" اور یہ کہہ کر وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ "میں نے اپنے ہاتھوں سے دو لوگ مارے ہیں سارہ خالہ' اور یہ کرنے کے بعد میں ماضی کے گلٹ میں اتنی دور تک گھر گیا تھا کہ مجھے لگتا تھا اب میں خود کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اور میں سوچتا تھا کہ جولڑکا میں چند سال پہلے تھا' وہ مجھے اب دیکھے گا کیا سوچے گا؟ مگر سارہ خالہ' وہ لڑکا اس سب سے نہیں گزر رہا تھا جس سے میں گزر رہا ہوں' اس لئے میں اب اپنے فیصلوں کی قدر کرنا چاہتا ہوں۔ دو انسانوں کی جان نہیں لی میں نے بلکہ ایک انسان کی' یعنی اپنی جان بچائی ہے ان سے۔ یہ برا کام نہیں تھا۔ میں اپنے غم سے نکل رہا ہوں۔ آپ بھی اپنے خوف سے نکل آئیں۔"

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی پہ بھی اس کی نظروں میں ننھے تارے چمک رہے تھے۔ "میں گواہی دوں گی سعدی!" وہ ایک عزم سے بولی تھی۔ "میں سچ بولوں گی کورٹ میں۔ اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد ہاشم میرے اور میرے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا' لیکن اگر بہت سی ماؤں کے بچوں کو بچانے کے لئے یہ قدم ضروری ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم جگر آزماتے ہیں۔"

"اور اسے تیر آزمانے دیتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ بہت سا بوجھ کندھوں سے ہٹا تھا۔ روشنی بس تھوڑی دور دکھائی دے رہی تھی۔

اب تم ان کو یہیں چھوڑ کر قصر کا رخ میں جاؤ تو ڈائننگ روم میں سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا اتوار کا لیٹ ناشتہ کر رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی بجھی بجھی سی جواہرات صرف چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اور دوسری جانب بیٹھا نوشیرواں اچنبھے سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

"سو آپ ممی سے اس لئے خفا ہیں کیونکہ ممی نے سعدی کو مروانے کا حکم دیا؟ اسی سعدی کو بھائی جسے میں نے گولیاں ماری تھیں'

اور آپ نے ہسپتال سے اغوا کروایا تھا۔" وہ جتا کر بولا تھا۔

"ممی نے مجھے دھوکہ دیا' اور یہ بھولنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔" وہ ماں کو نظر انداز کر کے درشتی سے بولا تھا۔ جواہرات کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"میں نے ساری عمر تم دونوں کے لئے لگادی اور آخر میں مجھے یہ صلہ ملا۔ بہت اچھا میرے بیٹے!" وہ دکھی صورت بنائے کہہ رہی تھی۔

"یہ victim card کھیلنا میرے اوپر اثر نہیں ڈالتا مسز کاردار۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

جواہرات نے گیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "کیا تم بھی مجھ سے خفا ہو؟ میں نے جو کیا تمہارے لئے کیا۔"

"میرے لئے؟ اگر ایسے سعدی مر جاتا تو کل کو ڈاکٹر سارہ تو یہی گواہی دیتیں نا کہ نوشیرواں نے اسے گولیاں ماری ہیں۔ میں تو قاتل بن جاتا۔ اپنے گناہوں پہ دوسروں کو "وجہ" بنانے کی بجائے ان کو خود فیس کریں ممی۔" وہ بھی اکھڑا اکھڑا سا کہہ کر ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات ابھی اسے سخت سست سنانے ہی لگی تھی کہ ہاشم زینے چلانگتا واپس آتا دکھائی دیا۔ چند کاغذ اور قلم اس نے جواہرات کے سامنے لا پٹخے۔

"ان پہ دستخط کریں۔"

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کمپنی میں اپنے شیئرز میرے نام منتقل کر رہی ہیں' آپ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے استعفیٰ دے رہی ہیں' اور آپ اپنے بینک اکاؤنٹس میں مجھے جوائنٹ ہولڈر بنا رہی ہیں۔ آج کے بعد آپ آفس نہیں آئیں گی' نہ ہی میری اجازت کے بغیر ایک دھیلا بھی خرچ کر سکیں گی۔ اپنی تمام جائیداد کا پاور آف اٹارنی آپ میرے نام منتقل کر رہی ہیں۔" وہ ایک ایک کاغذ کی تفصیل بتاتا گیا۔ جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ آنسو وغیرہ سب عنقا ہو گئے۔

"تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟"

"آپ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کے لئے میں زیادہ اہم ہوں یا یہ سب مادی چیزیں تو دستخط کریں اور ثابت کر دیں۔" ہاشم اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کے سر پہ کھڑا تھا' اور جواہرات ششدر سی بیٹھی ان کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان کو سائن نہیں کروں گی۔" وہ غرائی تھی۔ "کیا کر لو گے تم' ہاں؟"

"میں یہ کروں گا۔" ہاشم ہتھیلی میز پہ رکھ کر جھکا' پین اٹھایا اور دھڑا دھڑ ان کاغذات پہ دستخط کرتا گیا۔ ہو بہو جواہرات کے دستخط۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔

"تم....."

"تھینک یو ممی۔ آج کے بعد آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کاغذ سمیٹتا سیدھا ہوا اور پلٹ گیا۔ جواہرات نے بے یقینی سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "یہ غیر قانونی ہے۔"

"تو گرفتار کروا دیں بھائی کو۔" وہ بھی بے زاری سے بولتا اٹھ گیا تھا۔ جواہرات یک ٹک اس کی شکل دیکھے گئی۔

اس کو جائیداد سے بے دخل کرنے کی پاداش میں جان سے مارا تھا نا اس نے اورنگزیب کو؟ کیا اس اولاد کے لئے؟ کیا یہ دن دیکھنے کے لئے؟ وہ ششدر سی بیٹھی تھی۔

❖❖❖

عہد انصاف آ رہا ہے منیر ..... ظلم دائم ہوا نہیں کرتا

اس دوپہر گرمی کا زور گویا ٹوٹ سا گیا تھا۔ صبح پھر بارش ہوئی تھی اور موسم ٹھنڈا مگر حبس آلود ہو گیا تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت میں بھی گھٹن سی تھی مگر کارروائی اتنی دلچسپ جا رہی تھی کہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ زمر کٹہرے میں کھڑی سارہ سے سوال پوچھ رہی تھی اور فارس پچھلی نشستوں پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ کبھی وہ سارہ کو دیکھتا' کبھی اپنے قریب مگر دوسرے کالم میں بیٹھے الیاس فاطمی کو۔ آج دو اہم گواہ پیش ہوئے تھے اور فارس غازی کافی مطمئن نظر آتا تھا۔

''اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کرنل خاور ہی تھا جس نے آپ کے گھر آ کر آپ کو دھمکایا۔'' زمر پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑی سارہ نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور چہرہ بھی سفید مگر سپاٹ سا لگ رہا تھا۔ نظریں اعتماد سے زمر پہ جمائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی۔ وہ وہی تھا۔''

زمر واپس گھومی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔ ''your witness'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا اٹھا اور اپنے چمکتے ہوئے جوتے فرش پہ آگے بڑھاتا سارہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ڈاکٹر سارہ.... ہم نے آپ کا پورا بیان بہت تحمل سے سنا۔'' وہ رسان سے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ ''اب آپ سے میں کچھ سوال پوچھنا چاہوں گا تاکہ عدالت خود فیصلہ کر سکے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ کیا آپ جواب دینے میں کمفرٹیبل ہیں؟''

''ایسے ظاہر مت کرو ہاشم جیسے تمہیں میری بہت پرواہ ہے' میرے بچوں کے باپ کو جیسے سنگ دلی سے مروایا تھا' اسی سنگ دلی سے جرح کرو۔ میں تیار ہوں۔'' وہ رکھائی سے بولی تھی۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔ ''خیر.... آگے چلتے ہیں۔'' ہاتھ باہم پھنسا کر کھڑے سارہ کو دیکھتے ہوئے اس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

''آپ کا کہنا ہے کہ سعدی یوسف کے ساتھ اس رات آپ نے میرے موکل کو دیکھا تھا۔''

''جی ہاں۔ یہی تھا۔'' سارہ نے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا جو سپاٹ شکل بنائے بیٹھا تھا۔ آج جواہرات موجود نہیں تھی۔

''جس وقت آپ کے بقول نوشیرواں نے سعدی کو گولی ماری' کیا آپ نے اس وقت اس کے ہاتھ میں پستول کو جھٹکا کھاتے دیکھا تھا؟''

''میں وہیں تھی ہاشم' میں کبھی خوف سے سر اندر کر لیتی' اور کبھی باہر نکالتی' اس کو پستول پکڑے' اس کو بولتے' سعدی کو بوٹ سے مارتے' میں نے سب دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر سارہ جب گولی پستول سے نکلتی ہے تو آگ کا شعلہ سا ساتھ نکلتا ہے اور پستول جھٹکا کھاتا ہے۔ میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کیا آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟''

سارہ نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔ ''وہاں کوئی اور نہیں تھا' اور نوشیرواں کی ساری باتیں سنی تھیں میں نے' وہی تھا سعدی کا حملہ آور اور....''

''ڈاکٹر سارہ' آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟ ہاں یا ناں؟'' وہ درشتی سے اونچا سا بولا تھا۔ زمر نے بے اختیار لب کاٹے تھے۔

''نہیں!'' سارہ کی آواز دھیمی ہوئی۔

''او کے بات ختم۔ آپ نے نوشیرواں کو گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا۔'' وہ سر ہلا کر کہہ رہا تھا۔ ''ڈاکٹر سارہ آپ ہائی پروفیشن ایک اہم پراجیکٹ کی ہیڈ ہیں' ایک حساس ادارے کی سائنسدان ہیں' آپ کی انگلیوں کے چند کلکس کی مار ہے ڈرون پروگرام' آپ تو راکٹ سائنٹسٹ

ہیں۔آپ جیسی عورت کیوں اتنے ماہ خاموش رہی؟'' وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا۔

''کیونکہ آپ اور آپ کا خاندان مجھ سے زیادہ طاقتور اور بااثر ہے۔اور چونکہ آپ کے دستِ راست نے مجھے میرے گھر میں گھس کر ہراس کیا تھا' اس لئے میں خوفزدہ ہوگئی تھی۔''

''اچھا اب آپ خوفزدہ کیوں نہیں ہیں؟''

سارہ ہلکا سا مسکرائی۔''اب بھی ہوں۔بہت زیادہ۔اگر کیس کا فیصلہ سعدی کے حق میں نہ ہوا تو تم ہمارے ساتھ کیا کرو گے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔لیکن اب میں ڈر ڈر کے بھی تھک چکی ہوں۔اس لئے میں تمہیں اور تمہارے بھائی کو ان کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتی ہوں۔''

وہ اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔''کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے شوہر کی مبینہ طور پہ خودکشی کے بعد ڈاکٹر مہرین وقار سے سائیکوٹک سیشن لیتی رہی ہیں؟''

''ڈیم اِٹ!'' زمر نے سر جھکا کر پیشانی مسلی تھی۔سعدی نے پریشانی سے اسے دیکھا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''کبھی کبھار۔جی ہاں۔میں بیوہ ہوئی تھی۔میری جاب تھی۔بچے چھوٹے تھے' اور مہرین میری فرینڈ ہے۔'' سارہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا یہ بھی سچ ہے کہ ڈاکٹر مہرین نے آپ کو چند اینٹی ڈپریسنٹ prescribe کیے تھے جو آپ باقاعدگی سے لیتی ہیں۔''

''آج کل کون سا پراجیکٹ ڈائریکٹر سائنسدان یا کون سی کیریئر وومن ہے جو اینٹی ڈپریسنٹ نہیں کھاتی؟''

''آپ اینٹی ڈپریسنٹ لیتی ہیں یا نہیں لیتیں؟''

''ہاں ٹھیک ہے میں لیتی ہوں مگر۔''

''اور اینٹی ڈپریسنٹ کے سائیڈ افیکٹس میں paranoia' blurry vision ' یہ سب شامل ہوتا ہے۔اس رات بھی آپ کے جسم کے اندر اینٹی ڈپریسنٹ کا مادہ گھلا ہوا تھا۔نوشیرواں کو گولی چلاتے آپ نے نہیں دیکھا' پھر بھی مصر ہیں کہ وہی مجرم ہے۔ایک عورت جس کی ذہنی حالت اور بصارت مکمل طور پہ درست نہیں ہے' وہ رات کے اندھیرے میں' جبکہ اس کالونی میں بجلی بھی نہیں تھی' ڈاکٹر سارہ کا کسی کو دیکھ کر پہچان لینا' انتہائی احمقانہ بات لگتی ہے یور آنر۔'' وہ اب جج صاحب سے مخاطب تھا۔زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔

''ہاشم آپ کیسے پتہ؟''

''کیا؟'' ہاشم اس کی طرف گھوما۔

''یہی کہ اس کالونی میں اس وقت بجلی نہیں تھی؟ کیونکہ جب سعدی کو وہاں سے اٹھایا گیا' تب تو بجلی آ گئی تھی' اور اس کالونی کے تمام گھر زیرِ تعمیر تھے' آس پاس کی کئی گلیاں زیرِ تعمیر اور ویران تھیں' وہاں کوئی....؟ تو تھا نہیں' تو آپ کو کس نے بتایا کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی؟''

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا تھا' البتہ ہاشم کے اطمینان میں فرق نہیں پڑا۔''سعدی یوسف نے اپنے بیان میں کہا تھا شاید۔''

''میں نے اپنے بیان میں ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''بجلی والی بات ہاشم کہیں mention ہی نہیں ہوئی' تو آپ کو کیسے معلوم؟'' وہ دوبدو کہہ رہی تھی۔ہاشم نے ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکا۔

''میں اپنا ہوم ورک مکمل کرتا ہوں مسز زمر۔مجھے معلوم ہے کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی جب نیاز بیگ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا۔''

''تمہارے بھائی نے بتایا ہے تمہیں ہاشم' مان لو۔'' سارہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔جج صاحب کو اپنا ہتھوڑا بجانا پڑا تھا۔

ایک دم شور سا جو اٹھ گیا تھا۔ ایسے میں کافی لطف اندوز ہوتے فارس کے تاثرات بدلے۔ وہ چونک کر بائیں طرف دیکھنے لگا جہاں چند کرسیاں چھوڑ کے ایک شخص آ کر بیٹھا تھا۔ اس نے نسواری رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا' آنکھوں پہ لیاقت علی خان کے جیسا چشمہ لگایا ہوا تھا اور بال گیلے کر کے سر پہ جمے تھے۔ ہاتھ میں ایک لائٹر تھا جسے وہ بار بار کھول بند کر رہا تھا۔ نشست سنبھال کر وہ اب تسلی سے ساری کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔

فارس فوراً اپنے فون پہ جھکا۔ ''یہ آدمی کون ہے؟'' لکھ کر احمر کو بھیجا۔ ہاشم کی نشست کے قریب بیٹھے احمر کی جیب تھرتھرائی تو اس نے فون نکالا اور ذرا ترچھا ہو کر میسج دیکھا۔ پھر آہستہ سے گردن موڑی اور پچھلی نشست سے کچھ اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ ایک بھرپور نگاہ نوارد پہ بھی ڈال دی۔

''کوئی رپورٹر ہو شاید۔''

''اس کی تصویر لے کر بھیجو میں پتہ کرواتا ہوں۔ رپورٹر نہیں ہے۔ رپورٹرز تو اس جانب بیٹھے ہیں۔''

''راجر باس!'' احمر نے چند منٹ بعد اسے اپنی ایک سیلفی بھیجی جو اس نے ابھی ابھی اتاری تھی۔ پیچھے وہی شخص نظر آ رہا تھا۔ فارس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ سینڈ کی اور ساتھ لکھا۔ ''یہ شخص کون ہے؟ اس کی تصویر فیشل recognition میں ڈالو۔ اور اس سے منسلک کوئی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ ملے تو مجھے بھیجو۔'' ساتھ میں وہ گاہے بگاہے اس شخص پہ بھی ایک الجھی ہوئی نظر ڈال لیتا تھا۔ کون ہو سکتا تھا یہ؟

''شاید وہ پاسپورٹ اور میموری کارڈ....'' وہ بار بار کچھ سوچتا' پھر نفی میں سر ہلاتا۔ پھر بمشکل اس نے دھیان سامنے جاری کارروائی کی جانب مبذول کیا۔ سارہ اب اتر آئی تھی اور الیاس فاطمی کٹہرے میں کھڑا تھا۔ گردن کو اکڑا کر سیدھا اٹھائے وہ رعونت سے زمر کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات کا پلندہ لئے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''فاطمی صاحب' ہاشم کاردار سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

پیچھے کرسی پہ بیٹھا ہاشم تھوڑی تلے ہاتھ رکھے اب دلچسپی اور غور سے جاری مکالمہ دیکھ رہا تھا۔

''میرا ان صاحب سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔'' زمر جو مصروف سے انداز میں اگلا سوال پوچھنے جا رہی تھی' بے اختیار رکی۔ جیسے حیران ہوئی ہو۔ لاجواب ہوئی۔ جیسے وہ اس جواب کی توقع نہ کر رہی ہو۔ اس نے مڑ کر فارس کو دیکھا جواب سیدھا ہو کر بیٹھا تھا اور خفگی سے فاطمی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ ذاتی طور پہ ہاشم کاردار کے دوست نہیں ہیں؟ کیا آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوتی رہتی؟'' اس کے انداز میں بے چینی سی تھی۔

''نہیں' میں ان صاحب سے یکسر ناواقف ہوں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے وکیل صاحبہ کہ میری ان سے ملاقات ہوتی رہی ہے؟''

''فاطمی صاحب کیوں جھوٹ بول رہے ہیں؟ آپ نے خود ہمیں یہ معلومات دی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پچھلے ایک سال میں آپ اور ہاشم ان مقامات پہ ان تاریخوں میں ملے تھے؟'' وہ اب ایک کاغذ ہاشم کے سامنے رکھتے ہوئے چند تاریخیں بتا رہی تھی۔ ہاشم نے کاغذ اٹھا کر غور سے پڑھا پھر نظریں اٹھا کر اتنے ہی غور سے فاطمی کو دیکھا۔

''یہ غلط ہے۔ اور میں نے آپ کو کوئی معلومات نہیں دیں۔''

''مگر آپ نے خود ہمیں بتایا تھا کہ آپ کے بیٹے کا spyware استعمال کر کے کرنل خاور نے اس کیس کی اہم سی سی ٹی وی فوٹیجز مختلف اداروں کے ریکارڈز سے مٹائی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟''

''میرے بیٹے کا ایسا کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے۔ یہ سب الزام ہے۔'' زمر نے پلٹ کر پھر سے بے بسی سے فارس کا دیکھ کر شانے اچکائے جیسے وہ سخت خفا ہو۔ وہ بس تند و تیز نظروں سے فاطمی کو گھورے جا رہا تھا۔

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہاشم نے اس کیس میں گواہی نہ دینے کے لئے آپ کو caymans میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلوا کر دیا تھا اور...''

''آپ کے پاس کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف شہرت کے طالب ہیں۔'' وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ زمر فوراً تیزی سے جج صاحب کی طرف رخ کر کے بولی۔ ''یو آنر میں الیاس فاطمی کو بطور ایک پراسیکیوشن witness give up کرتی ہوں۔ فاطمی صاحب آپ جا سکتے ہیں۔''

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا جواب بھی بہت غور سے اس سارے تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ زمر کی پریشانی' اس کا واپس جا کر سر جوڑے سعدی سے گفتگو کرنا' دونوں کا جھنجھلاہٹ سے نفی میں سر ہلانا' پیچھے بیٹھے فارس کا فاطمی کو گھورنا۔ وہ ایک ایک مائیکرو ایکسپریشن دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے' الیاس فاطمی ان سے ملا ہوا ہے اور مکر رہا ہے۔'' احمر نے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''نہیں۔ وہ ان کے ساتھ نہیں ملا ہوا۔ یہ سب اداکاری کر رہے ہیں۔ مجھے یہ امپریشن دے رہے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ یہ معلومات ان کو میرا کمپیوٹر وغیرہ ہیک کر کے آسانی سے مل گئی ہوں گی۔ رہی آخری اکاؤنٹ والی بات تو ہو سکتا ہے وہ تم نے ان کو بتائی ہو۔'' مسکرا کر احمر کو دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہیں سکا تھا۔ ''سر' میں آپ کے والد کے ساتھ۔''

''میرا والد مر چکا ہے' اور میں آئندہ سے اپنی gut feeling پہ بھروسہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں پر یقین نہیں ہوں کہ تم تھے یا نہیں' لیکن تم فائرڈ ہو۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور آج کے بعد مجھے میرے گھر یا میری ماں کے گرد بھی نظر نہ آؤ۔'' مسکرا کر مگر چبا چبا کے کہتا وہ احمر پہ گویا ٹھنڈا پانی ڈال گیا۔ احمر بالکل شل بیٹھا رہ گیا۔ ہاشم نے چہرہ واپس جج صاحب کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس کے انداز کی سختی اور قہر.... احمر اپنی چیزیں ابھی سے سمیٹنے لگا تھا۔

الیاس فاطمی اب کٹہرے سے اتر کے نیچے آ گیا تھا اور کرسیوں کے ساتھ سے گزرتا دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جس لمحے وہ فارس کی کرسی کے قریب آیا' لمحے بھر کو ٹھہرا۔ فارس نے صرف خشمگیں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ اتنے اتنی ہی تندہی سے گھور رہا تھا۔

''تم میرے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ یہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں نہ تم اس کا پیچھا کر سکتے ہو' نہ اس کو بال برابر نقصان پہنچا سکتے ہو۔'' گھمنڈی انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ کمرہ عدالت سے نکل کے وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے مانوس آہٹ کا احساس ہوا۔ فاطمی پلٹا تو دیکھا' فارس اس کے عقب میں کھڑا ہے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ عدالتی کمرے والے تاثرات کے برعکس بالکل پرسکون سا لگ رہا تھا۔

''کیا ہے؟''

''میں قاتل نہیں ہوں' نہ میں تمہارے بیٹے کو مارنا چاہتا تھا۔''

''اچھا۔ اور کچھ؟'' وہ خشک سے انداز میں بولا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میرا ایک بھائی تھا الیاس صاحب' اور وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ سچ بولتا تھا۔ ایمان داری سے اپنا کام کرتا تھا۔ لیکن پھر اس کو اس دنیا سے جانا پڑا۔ اس کو پنکھے سے لٹکا کر' ہاتھ پاؤں باندھ کر' اس کی گردن توڑی گئی کیونکہ تمہارا بیٹا' تمہارا لاڈلا بیٹا ایک مہنگی کار کا خواہشمند تھا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی اور اس میں زمانوں کا دکھ سمویا تھا۔ ''اس کا نازنخرہ اٹھانے والے باپ نے میرے بھائی کو بیچ دیا' اور کار خرید لی۔ یہ

سب کچھ.... آج جہاں ہم ہیں اور جہاں تم ہو' یہ سب تمہارے بیٹے کی ایک کار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی ایک اندھی خواہش کی وجہ سے۔ تو اس کو بھگتنی ہوگی۔''

''تم.... میرے خاندان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اب اس ملک میں نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ وہ امریکہ پہنچ چکا ہے۔ وہی امریکہ جس کی ریاست ورجینیا میں اس کی کمپنی کا ڈیٹا سینٹر موجود ہے۔'' اب کے وہ مسکرایا تھا۔ لمحے بھر کو فاطمی سمجھ نہ سکا' کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''میں اس کو مارنا نہیں چاہتا تھا' وہ بس بہت عرصے سے امریکہ واپس نہیں جا رہا تھا میں صرف اسے واپس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ جب غیر قانونی سپائی ویئر کے لئے امریکی مٹی استعمال کرنے پہ ایف بی آئی اس کو گرفتار کرے تو وہ امریکہ میں موجود ہو۔ جس وقت تم اپنی گواہی دے رہے تھے' اس سے تین گھنٹے پہلے تمہارا بیٹا گرفتار ہو چکا ہے۔ چند گھنٹوں میں تم تک آفیشل خبر بھی پہنچ جائے گی۔ ایف بی آئی کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی tip کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔''

''واٹ دا....'' الفاظ اس کے لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ وہ بالکل سُن سا فارس غازی کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ فارس دو قدم آگے آیا' ہمدردی اور تاسف سے فاطمی کے شانے کی گرد جھاڑی' پھر اس کی ٹائی کی ناٹ ذرا کسی' نادیدہ سلوٹ ہاتھ پھیر کے دور کی' اور اسی ملال سے کہنے لگا۔

''وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے اور فیڈرک کورٹ میں اس پہ ایک طویل مقدمہ چلنے والا ہے۔ اس کا مسلمان ہونا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اب تمہیں وہاں جانا ہوگا' یہاں سے استعفیٰ دے کر' اور وہ ساری دولت جو تم نے میرے بھائی کو بیچ کر بنائی تھی' الیاس فاطمی اب تم اس کی

ایک ایک پائی جوڑ کر امریکہ کے مہنگے وکیلوں کی فیسیں بھرنے میں لگے رہو گے۔ اور اس کے بعد بھی اس کے رہا ہو جانے کی امید کم ہوگی۔ سو اب تم اپنے آفس جاؤ اور وہ کرو جو میں نے کہا تھا۔'' اس کے کان کے قریب چہرہ لے جا کر وہ دھیرے سے بولا۔ ''اپنا استعفیٰ لکھو' الیاس فاطمی! مجھے تمہارا استعفیٰ چاہیے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ غصے سے اس پہ غرایا اور پھر موبائل نکالتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اب وہ پریشانی سے کسی کو کال ملا رہا تھا۔ اس کی رنگت بدل رہی تھی' اور وہ بار بار بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا۔ پسینے کے ننھے قطرے اس کی پیشانی پہ بکھرے تھے اور فارس غازی سینے پہ بازو لپیٹے' ملال سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا تھا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر اچھا محسوس کرے گا۔

اور وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

کیوں دل جلائیں کر کے کسی سے بھی اب سُخن ..... جب گفتگو کا کوئی سلیقہ نہیں رہا

وہ شام جب شہر پہ اتری تو اس میں بارش کے بعد کی گیلی مٹی کی سوندھی سی خوشبو رچی بسی تھی۔ ایسے میں سعدی یوسف فوڈ لی ایور آفٹر کے نیچے والے ریسٹورانٹ ایریا میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا' اور سامنے لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ کل سے اپنی جاب پہ واپس جانا تھا اور وہ اس وقت اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ ریسٹورانٹ کے باہر اب ایک اور لڑکا پھولوں کا اسٹال لگاتا تھا۔ گل خان اور اس کا خاندان دو ماہ قبل بہت سے افغان باشندوں کے ساتھ ڈی پورٹ کر دیا گیا تھا۔ سعدی کام کرنے کی بجائے کتنی دیر باہر نظر آتے ان پھولوں کو دیکھتا رہا تھا۔ پرانے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے' نئے لوگ آ رہے تھے' اور ہر گزرتے دن ہم سب بھی تو ایک نئے انسان میں ڈھلتے جاتے ہیں۔ وہ انسان جس کو بعض دفعہ پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان جس کے بارے میں ہمیشہ سوچا تھا کہ ہم یہ تو نہیں بنیں گے۔ مگر قسمت کے آگے سب بے

اس تھے۔

اونہوں۔غم نہیں کرنا۔سعدی نے نفی میں سر ہلا کر خود کو ٹوکا۔پھر کام کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی۔مگر فون بجنے لگا۔اس نے اٹھا کے دیکھا۔ایک نیوز چینل کے رپورٹر کی طرف سے پیغام آیا تھا کہ آٹھ بجے والے شو میں اس کو لائیو لائن پہ لیں گے۔اسے عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں' اس موضوع پہ بات کرنی ہوگی۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے اس پیغام کو دیکھے گیا۔کیا عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا' اپنے اور اپنے خاندان والوں

کو سرِ عام رسوا کرنے کا' ان کو کتنے لوگوں کی بندوقوں کی تان پہ لے آنے کا کوئی فائدہ تھا؟ کیا ساحر وکلاء کے دلائل کا کوئی توڑ تھا؟ سچ اور حق پہ ہونے کے باوجود کیس مسلسل ہارنے کی پوزیشن میں ہونا' اور اپنے ہر ثبوت کا ہاشم کے ہاتھوں مشکوک بنائے دینا۔کیا اس سب سے نجات کا کوئی راستہ تھا؟

اس کے پاس ان سوالوں کے کوئی جواب نہ تھے۔اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا اور لیپ ٹاپ کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ اسے خاموشی سے اپنا کام کرنا تھا۔

.....❖❖❖.....

ہجر ہے میرے چار سو، ہجر کے چار سو خلا ..... میں بھی نہیں میرے قریب، تیرا تو خیر ذکر کیا!

ڈاکٹر اسمعیل حسن اپنے گھر میں بنی چھوٹی سی لائبریری میں اس وقت بیٹھے تھے۔ان کے سامنے مطالعے کے لئے چند کتب کھلی تھیں اور وہ بہت انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے جب ان کی بیٹی نے اندر جھانکا۔

''بابا....'' انہوں نے سر اٹھایا۔وہ سفید داڑھی اور صاف ستھری شلوار قمیص پہنے' شفیق اور مہربان چہرے والے انسان لگتے تھے۔بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے۔''جی بیٹا؟''

''میرا ایک پرانا کلاس فیلو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ قدرے متذبذب تھی۔''لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کو جج نہ کریں۔وہ آج کل پوری دنیا میں اتنا تماشا بنا ہوا ہے کہ بہت مشکل سے میں نے اس کو راضی کیا کہ وہ آپ سے بات کر لے۔'' وہ ان کو سمجھا رہی تھی۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ڈاکٹر اسمعیل نے اسے ایسے دیکھا جیسے ہر نئے ملنے والے کو دیکھتے تھے۔مسکرا کر اٹھے اور اسے خوش آمدید کہا۔وہ متذبذب لگتا تھا۔لباس اچھا تھا اور بال اوپر اسپائکس کی صورت اٹھا رکھے تھے۔آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے۔کلائی میں چند بینڈز پہن رکھے تھے۔وہ اسی تذبذب سے ان کے سامنے بیٹھا تو انہوں نے پوچھا۔''کیا نام ہے آپ کا؟''

''نوشیرواں کاردار۔'' اس نے جھجک کر بتایا۔''ٹی وی پہ ذکر تو سنا ہوگا آپ نے میرا۔'' ذرا تلخی سے بولا۔

''نہیں' میں نے واقعی آپ کا ذکر نہیں سنا۔نوشیرواں آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے' آپ مجھے بتائیں۔شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔''

اس نوجوان نے سر نیہوا ڑ دیا' پھر کان کھجایا۔پھر اسی طرح بولا۔''میں نے ایک گناہ کیا ہے۔''

''اگر گناہ راز ہے تو اسے راز رہنے دیں۔'' انہوں نے اسے روکا مگر وہ چہرہ اٹھا کر تلخی سے بولا۔''بچے بچے کو پتہ ہے' میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔پھر میرے بھائی نے اسے اغوا کیا' اور اس سے پہلے میرے بھائی نے.....''

''آپ مجھے وہ بتائیں جو آپ نے کیا ہے۔بھائی کو چھوڑیں۔''

وہ ٹھہرا۔پھر نظریں ان پہ جمائے ذرا مدھم آواز میں بولا۔''میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔''

''وہ مر گیا؟''

''نہیں بچ گیا۔''

''آپ کیا چاہتے تھے؟ کہ وہ مر جائے۔''

''پتہ نہیں۔ میں اسے....''

''پتہ ہوتا ہے سب انسان کو۔ آپ کیا چاہتے تھے؟''

''میں اسے اذیت دینا چاہتا تھا' شاید معذور کرنا چاہتا تھا۔ مارنا بھی چاہتا تھا۔ میں سب کچھ چاہتا تھا۔''

''اب وہ کیسا ہے؟ انہوں نے دھیمے انداز میں پوچھا تھا۔

''وہ میرے ساتھ مقدمہ لڑ رہا ہے۔''

''آپ نے اعترافِ جرم کیا۔''

''نہیں کر سکتا۔ قانون کی محبوب اولاد ہوں' خاموش رہنے کا حق ہے مجھے۔''

''اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں اس سب سے نکلنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز میں کرب در آیا۔ ''میں نادم ہوں۔ شرمندہ ہوں۔ دکھ میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے معاف کر دے۔''

''ایسے جرائم میں توبہ پکڑے جانے سے پہلے ہوتی ہے' پکڑے جانے کے بعد معافی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مقدمہ چل رہا ہے تو فیصلہ آنے کے بعد یا تو آپ کو اپنی سزا بھگتنی ہوگی یا آپ کو اس سے معافی مانگنی ہوگی۔''

''میں سزا نہیں بھگت سکوں گا۔''

''معافی مانگ سکتے ہو؟''

''مجھے نفرت ہے اس سے۔''

''محبت کرنے کو کہہ بھی نہیں رہا۔ کسی کو معاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو گلے سے لگایا جائے' اس کو دوست بنا لیا جائے۔ صرف ایک عہد کرنا ہوتا ہے کہ جو اذیت اس نے مجھے دی وہ میں نے اس کو نہیں دینی۔ اور اگر دوبارہ اس پہ ظلم کرنے کا موقع آئے تو اب میں نے وہ نہیں کرنا جو پہلے کیا تھا۔''

''کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟'' اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔ وہ اس وقت شدید بے بس نظر آ رہا تھا۔ ''میں نے اس کی زندگی تباہ کر دی۔''

''اگر آپ اللہ سے معافی مانگیں تو اللہ لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کے لئے رحم ڈال دیتا ہے۔ آپ کے اندر ایک اچھا انسان ہے اور آپ کو اسے باہر نکالنا ہے۔''

''سوری مگر یہ pep talk مجھے نہ دیں۔ میرے اندر کوئی اچھا انسان نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان بچانے والے دوست کو گولی ماری۔ اپنے بھائی کی بیوی پہ نظر رکھتا تھا میں۔'' وہ زہر خند سا گویا ہوا۔ آنکھیں اب تک گیلی تھیں۔

''نوشیرواں یہاں ہر کوئی گناہگار ہے۔ گناہ کرنا' پھر توبہ کرنا' پھر گناہ کرنا پھر توبہ کرنا پھر گناہ پھر توبہ.... یہ مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرتے ہیں اور برے وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ نہیں کرتے۔''

''یعنی دونوں برابر گناہ کرتے ہیں۔ تو پھر اچھے لوگ جنت وغیرہ میں کیسے جائیں گے؟''

''جنت میں ہمیں ہمارے اعمال نہیں اللہ کی رحمت لے جائے گی۔ اللہ پہ توکل لے جائے گا۔ توکل ہوتا ہے اللہ سے اچھی امید باندھنا۔ اگر آپ کے گناہ بڑے ہیں تو آپ کو مایوس نہیں ہونا۔ ہر چیز معاف ہو سکتی ہے اگر آپ معافی مانگیں۔ بڑے گناہوں کے بعد بڑی نیکیاں کریں۔ بڑے بڑے اچھے کام۔ یوں آپ کے گناہ دھل جائیں گے۔''

''اور کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''جب آپ اپنے دوسرے گناہ دھوتے جائیں گے' اور اللہ سے معافی مانگیں گے تو اس کا دل بھی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا' وہ اسے آپ کی طرف سے پھیر دے گا' لیکن اس سے پہلے آپ کو اچھے کام کرنے ہوں گے۔ ایسے اچھے کام جو آپ کے چہرے کی ساری کالک دھو دیں۔''

''مثلاً کیا؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ الجھ گیا تھا۔ اسے دور دور تک کوئی ایسی نیکی نظر نہ آتی تھی جو اسے اپنا لائق سمجھے۔ وہ جواب میں گہری سانس لے کر اسے سمجھانے لگے تھے۔ انہیں وہ لڑکا بھلا معلوم ہوا تھا اور وہ اس پہ کچھ وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔

.....❖❖❖.....

اس صبح ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائے' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ فون پہ الیاس فاطمی کے لاتعداد پیغام اور کالز کو وہ مکمل طور پہ نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس شخص سے کسی بھی قسم کا تعلق فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

''سر!'' رئیس نے اندر جھانکا۔ ہاشم چونک کر سیدھا ہوا' پھر اسے بلایا۔

''عدالتی سماعت کا وقت ہونے والا ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس چند منٹ ہوں تو....'' وہ ایک موبائل ہاتھ میں لئے اندر آیا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ آپ کو مس آبدار کا موبائل چاہیے۔ ان کے ایک ملازم نے یہ کام کر دیا ہے۔ ہو بہو اس سے جیسا موبائل ری پلیس کر دیا ہے' مگر وہ ڈیڈ ہے۔ اور یہ میں آپ کے لئے لے آیا تھا۔ پاسورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا'' اس نے موبائل ادب سے اس کے سامنے رکھا۔ ہاشم نے ہاتھ جھلا کر اس کو واپس جانے کو کہا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسکرین روشن کی۔

واٹس ایپ سامنے ہی تھا۔ اس نے chats کھولیں۔ فہرست میں اوپر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

فارس غازی۔ اس نے انگوٹھا اس نام پہ دبایا۔ سامنے ایک طویل گفتگو کھل گئی' جس میں نیچے نیچے آبی کے ان گنت پیغام تھے جن کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ گفتگو اوپر کرتا گیا۔ اس کے جبڑے کی رگیں کھنچتی گئیں۔ پیشانی کی سلوٹیں بڑھتی گئیں۔ سانس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ کمرہ عدالت میں داخل ہوا تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ ڈگ اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ اسے ان کا سارا خاندان نظر آیا تھا۔ آج سعدی' زمر اور فارس کے ساتھ حنین اور اسامہ کے علاوہ ندرت بھی بیٹھی دکھائی دیتی تھیں۔ آبدار بھی ان کے قریب ہی موجود تھی۔ اس نے اپنی طرف کی کرسیوں پہ نگاہ دوڑائی۔ نوشیرواں اور جواہرات وہاں خاموش بیٹھے تھے۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے میں چند منٹ رہتے تھے' وکلاء اپنی فائلوں کو پڑھ رہے تھے' کورٹ رپورٹر ٹائپنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا' صحافی حضرات فون پہ لگے تھے۔ ایسے میں وہ تمام لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ کمرہ عدالت میں موجود ایک شخص بہت جلد اسی کمرے میں موجود ایک دوسرے شخص کا قتل کرنے جا رہا ہے۔

.....❖❖❖.....

باب 27:

میں حنین ہوں اور میں عام ہوں!

میرے اور تمہارے اندھیروں میں جانتے ہو کیا فرق ہے؟
میں اپنی برائی کا سامنا کر کے اس کو قبول کر سکتی ہوں
جبکہ تم اپنا آئینہ سفید چادر سے ڈھکنے میں مصروف ہو!
میرے اور تمہارے گناہوں میں فرق یہ ہے کہ
جب میں گناہ کرتی ہوں تو جانتی ہوں کہ یہ گناہ ہے
جبکہ تم اپنے من گھڑت سرابوں کا شکار ہو چکے ہو۔
میں ایک جل پری ہوں۔
میں جانتی ہوں کہ میں سمندر کی لہروں پہ رقص کرتے
کتنی حسین دکھتی ہوں۔
مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اسی سمندر کی تہہ میں
میں ہڈیاں اور گوشت چیر پھاڑ کے کھا سکتی ہوں۔
تم ایک جادوگر ہو۔ ایک شعبدہ باز۔
تمہارے منتر تمہاری ہیر پھیر کی باتیں ہیں
جہنم کے ابلتے کڑاہوں جیسی باتیں!
پھر بھی تم اپنے گرد سفید چادر لپیٹے پھرتے ہو۔
پھر بھی تم انصاف کی سفید وِگ لگائے گھومتے ہو!
(سی جوائے بیل سی)

ہاشم کاردار قدم قدم کمرہ عدالت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ہر شے سست روی سے ہوتی دکھائی دے رہی تھی جیسے کوئی گونگی سلوموشن فلم پردے پہ چل رہی ہو۔ آوازیں بند ہوں۔ بس لب ہلتے دکھائی دے رہے ہوں۔ ہاشم اجنبی گم صم نگاہوں سے سب کو دیکھتا اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ کمر کرسی کی پشت سے لگائی۔ بائیں گھٹنے پہ دائیں ٹانگ رکھی۔ وہ ابھی تک ذہنی طور پہ شل تھا۔ سُن تھا۔
اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے پسِ منظر میں کوئی اداس گیت گنگنا رہا ہو۔ اس گیت میں اعتبار ٹوٹنے کا کرب تھا۔ ارمانوں کا لہو تھا۔

جیسے کوئی اپنا ساتھ چھوڑ کے غیروں کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ انہی گم صم نگاہوں سے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی آبدار کو دیکھے گیا۔ وہ وقت کاٹنے کو اپنے سیل فون کے ساتھ لگی تھی' اور مسلسل جھنجھلائی ہوئی تھی۔ وہ آن ہو کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ اردگرد کاغذ کھڑکنے' سرگوشیوں' جج صاحب کی ہتھوڑی' ہر شے کی آوازیں یوں سنائی دیتی تھی گویا دور کسی گہری کھائی سے آ رہی ہو۔

اس کا دل ٹوٹا تھا اور ایسے لگتا تھا ابھی تک سینے سے خون رس رہا ہو۔

کٹہرے میں موجود میری اینجیو کے سامنے زمر کھڑی تھی۔ ہاشم نے بدقت توجہ ادھر مبذول کرنی چاہی۔ یہاں سے اسے سیاہ کوٹ والی زمر کی پشت پہ گھنگریالی پونی دکھائی دیتی تھی جو اس کے بولتے ہوئے بار بار چہرہ ہلانے کے باعث جھول رہی تھی۔ یا پھر چند قدم اوپر کھڑی سپاٹ چہرہ لئے میری دکھائی دیتی تھی۔ ان دونوں کے بیچ خلاء تھا۔ ہاشم کا دماغ خلا میں اٹکنے لگا۔

''میری اینجیو آپ کتنے سال سے جواہرات کاردار کی ملازمہ ہیں؟'' شل ہوتے ذہن سے اس نے زمر کو سپاٹ انداز میں پوچھتے سنا۔

''بارہ سال سے۔''

''آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟''

''فلپائن سے۔''

''کیا آپ کی ایجنسی' جس کے توسط سے آپ کاردار صاحب کے پاس آئی تھیں' آپ کو کسی دوسرے گھر میں کام کرنے کی اجازت دیتی ہے؟''

''نہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی گھر میں کام کر سکتی ہوں میں۔'' وہ سپاٹ انداز میں سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔

''میری' کیا آپ اس نوجوان کو پہچانتی ہیں؟'' زمر نے بازو لمبا کر کے ادھر بیٹھے سعدی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آج نیلی جینز پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا' اور بھوری آنکھوں میں شدید چبھن لئے میری کو دیکھ رہا تھا۔ میری نے ایک سرسری سی نظر اس پہ ڈالی۔

''یہ سعدی یوسف ہے۔'' چہرہ زمر کی طرف پھیر لیا۔

''آپ کی سعدی یوسف سے پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''آٹھ سال پہلے۔ یہ قصر آیا تھا اور میں نے اس کے آگے دروازہ کھولا تھا۔''

''اس کے بعد آپ کی کب کب ملاقات ہوتی تھی اس سے؟''

''جب بھی یہ قصر آتا۔ میں ہیڈ ہاؤس کیپر تھی تو ظاہر ہے ملاقات ہو جاتی تھی۔''

''کیا آپ دونوں کبھی ذاتی نوعیت کی گفتگو کرتے تھے؟''

میری نے لمحے بھر کا توقف کیا اور نیچے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ پھر نظریں زمر پہ جما دیں۔

''جی نہیں۔''

''یعنی آپ نے اپنے بیٹے کے کینسر اور علاج کے بارے میں سعدی یوسف سے کبھی گفتگو نہیں کی تھی؟''

''جی نہیں۔ میرا اس سے ایسا تعلق نہ تھا کہ اپنے ذاتی معاملات اس سے ڈسکس کرتی۔'' سعدی بس اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ ملامت سے۔ افسوس سے۔

''او کے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میری اینجیو کیا یہ درست ہے کہ آپ نے مسز کاردار کا نیکلیس چرایا تھا جس کی بناء پہ

انہوں نے آپ کو نوکری سے برخاست کر کے ڈی پورٹ کرنے کا حکم جاری کیا تھا؟''

''یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی چوری نہیں کی' نہ مجھے نوکری سے نکالا گیا تھا۔''

''اور کیا یہ بھی غلط ہے کہ ڈی پورٹ کرنے کی بجائے غیر قانونی طور پہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو کولمبو بھجوا دیا تھا جہاں آٹھ ماہ تک آپ سعدی یوسف کی کیئر ٹیکر رہی تھیں؟''

''یہ غلط ہے۔ میں زندگی میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔ میرا پاسپورٹ اس بات کا ثبوت ہے۔'' وہ گردن کڑا کے بولی تھی۔ بار بار وہ تائیدی نظروں سے ہاشم کو بھی دیکھتی تھی مگر وہ اس وقت غائب دماغی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

''تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ کبھی کولمبو کے اس ہوٹل میں گئی ہی نہیں ہیں نہ اس کے تہہ خانے میں جہاں میرے موکل کو قید رکھا گیا تھا۔''

''جی ہاں۔ میں کبھی وہاں نہیں گئی۔''

''اور نہ ہی آپ سعدی یوسف کو حبسِ بے جا میں رکھنے کے بارے میں جانتی ہیں؟''

''جی نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔''

''تو پھر آپ 21 مئی سے 22 جنوری تک.... ان آٹھ ماہ میں کہاں تھیں میری ایجنیو؟''

''میں قصرِ کاردار میں ملازمت کر رہی تھی۔ اور میں آفس کی پارٹیز کی پلاننگ بھی کرتی تھی۔ سب نوکر گواہ ہیں کہ میں قصر میں تھی اس دورانیے میں۔''

زمر اپنی میز کی طرف آئی اور کاغذات کا ایک پلندہ اٹھا کر اوپر جج صاحب کے ساتھ کھڑے آدمی کو تھمایا جس نے اسے ڈیسک پہ لا رکھا۔ ''یہ قصرِ کاردار کی پچھلی آٹھ ماہ کی ان تمام پارٹیز کی تصاویری کہانی ہے جو مختلف فوٹو گرافرز نے کور کی تھیں۔ یہ ان فوٹو گرافرز کے میموری کارڈز کا ڈیٹا ہے۔ اور ان میں کسی ایک تصویر میں بھی میری ایجنیو نظر نہیں آتیں۔ جبکہ یہ دوسری فائل..'' اس نے اشارہ کیا۔ ''اس میں سعدی کے اغوا سے ایک سال قبل کی پارٹیز کا ڈیٹا ہے اور ہر پارٹی میں میری پس منظر میں کہیں نہ کہیں نظر آ جاتی ہیں۔ میری ایجنیو' آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ ان آٹھ ماہ میں پاکستان میں ہی تھیں؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' ہاشم قدرے سست روی سے کھڑا ہوا۔ ''قانون کے مطابق برڈن آف پروف استغاثہ کے اوپر ہے۔''

(یعنی جو شخص الزام لگاتا ہے اسے ہی ثبوت ڈھونڈ کر لانے ہیں۔)

''یور آنر پھر میں کورٹ سے استدعا کروں گی کہ ہاشم کاردار کے گھر کے تمام سی سی ٹی وی ریکارڈ کو عدالت میں منگوایا جائے اور ہمیں تاریخوں کے ساتھ دکھایا جائے کہ میری ایجنیو اس وقت گھر میں تھی۔''

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا ہی تھا کہ وہ کھنکھار کے بولا۔ ''یور آنر' فروری میں ہمارے کنٹرول روم میں شارٹ سرکٹ کے باعث آگ لگی تھی۔ گھر کے ملازم اور میرے خاندان والے گواہ ہیں اس بات کے۔ ہمارا ڈی وی آر جل چکا ہے۔ اسی بات کا استغاثہ فائدہ اٹھا رہی ہیں۔''

''رئیلی ہاشم؟'' زمر ابرو حیرت سے اٹھاتی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ ''آپ کی creativity اس سے زیادہ اچھا بہانہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ اتنا پرانا حیلہ کیوں؟'' ہاشم نے شانے اچکائے۔

''واقعی۔ میں زیادہ اچھا بہانہ کر سکتا تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ اب سنبھل کے سرگوشی میں بولا تھا۔ زمر نے ستائش سے سر کو خم دیا اور واپس جج صاحب کی طرف آئی جو اس کے اعتراض پہ رولنگ دے رہے تھے۔

''کیا آپ کبھی زرنگار عبید سے ملی ہیں؟'' زمر نے واپس میری سے سوال پوچھا تو ہاشم نے چونک کے فوراً آبدار کی طرف دیکھا۔ آبی سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہاشم کو نظر انداز کر رہی تھی۔

میری نے جواب دینے میں چند لمحے لیے۔ ''جی۔''

''ان کی بیماری کے دوران میں نے سنا ہے آپ نے ان کی بہت خدمت کی۔ بلکہ یہ تصویر بھی ہے ہمارے پاس جس میں آپ ان کو سرو کرتی نظر آ رہی ہیں۔'' زمر نے ایک تصویر کی کاپی اس کے سامنے لہرائی پھر جج صاحب کی میز پہ جا رکھی۔ میری نے ہاشم کو دیکھا۔ وہ آبی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ایک بات سمجھائیں میری ایجیو۔ آپ کو یہاں آئے نو دس سال ہوئے ہیں۔ زرنگار عبید پچھلے دس سال میں ایک دفعہ بھی پاکستان نہیں آئی تھیں۔ وہ اپنے اسکینڈل کے بعد سے سری لنکا میں رہائش پذیر تھیں' وہیں مقیم رہیں' اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ ان کی خدمت کے لئے' اور ان پہ نظر رکھنے کے لئے ہارون عبید اور جواہرات کاردار نے آپ کو وہاں بھیجا تھا۔''

''میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''اپنے پاسپورٹ کے مطابق آپ کولمبو نہیں گئیں۔ لیکن یہ تصویر کولمبو میں لی گئی ہے اور آبدار عبید اس بات کی گواہ ہیں۔'' اور اب تک خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتے فارس نے اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر مڑ کے آبی کو۔ آبی نے اس کے دیکھنے پہ مسکرا کر شانے اچکائے تھے۔

''اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی دوسرا پاسپورٹ بھی ہے' جو آپ ملک سے باہر جانے کے لئے استعمال کرتی آئی ہیں' کیونکہ آپ کی ایجنسی کی طرف سے ایک مالک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی خدمت کرنا غیر قانونی ہے۔ تو بتائیے عدالت کو میری ایجیو صاحبہ' کہ آپ کس پاسپورٹ پہ سری لنکا جاتی تھیں؟''

میری کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا' وہ بار بار ہاشم کو دیکھتی تھی جواب اپنے سامنے رکھی فائلز کو دیکھ رہا تھا۔ بنا پلک جھپکے۔ زمر بھی کنکھیوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میری ذرا کھنکھاری۔

''یہ تصویر پاکستان کی ہے۔ میں کبھی کولمبو نہیں گئی۔''

''جب مس عبید عدالت میں اپنا بیان دیں گی تو آپ کا یہ بیان پرجری کے زمرے میں آئے گا۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ وہ میری ایجیو کے پاسپورٹ پہ کوئی مہر نہ دیکھ کر یہ نہ سمجھے کہ سعدی یوسف جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے میری پہلے کولمبو جا چکی ہیں۔ یہ اس دفعہ بھی گئی تھیں۔ اور آٹھ ماہ ادھر رہی تھیں۔ یور ٹو نیس!'' وہ مڑی اور ہاشم کو مخاطب کر کے کہا' پھر سیدھی اپنی میز پہ آ گئی۔ ہاشم اٹھا نہیں' اس نے بیٹھے بیٹھے سوال کیا۔

''میری ایجیو.... استغاثہ نے جو تصاویر عدالت کو دکھائی ہیں' پارٹیز والی.... کیا ان پارٹیز کی ایونٹ پلاننگ آپ نے کی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''اور ان پارٹیز کو ممکن بنانے کے لیے تقریباً کتنے ملازم کام کرتے تھے؟''

''ساٹھ سے زیادہ۔''

''اور کیا وہ ساٹھ کے ساٹھ ملازم ہمیشہ فوٹو گرافر کی کھینچی ان تصاویر میں نظر آتے ہیں؟''

''نہیں۔ مشکل سے پانچ دس نظر آتے ہیں۔ فوٹو گرافر کو ملازموں کی نہیں مہمانوں کی تصاویر کھینچنے کی ہدایت ہوتی ہے۔''

''اور ان ساٹھ میں سے کتنے لوگ صرف کچن میں کام کرتے ہیں اور پارٹی کی جگہ پہ نہیں آتے؟''

''تقریباً بیس' اکیس ملازم۔''

''اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اپنے بیٹے کی بیماری کی وجہ سے آپ کچن اور اس کے ساتھ بنے اپنے کمرے میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگی تھیں؟ اور باہر کم ہی نکلتی تھیں؟''

''آب جیکشن یور آنر۔'' زمر بے زاری سے بولی۔ ''ہاشم کا ردار لیڈنگ کوئسچن پوچھ رہے ہیں۔''

(گواہ کی کسی جواب کی طرف راہنمائی کرنا' سوال میں ہی جواب بتا دینا یا اس کے منہ میں الفاظ ڈالنا '' leading question''

پوچھنا کہلاتا ہے۔)

''یور آنر' یہ مسز زمر کا گواہ ہے۔ میں تو اس کو ''کراس'' کر رہا ہوں۔ میں لیڈنگ کوئسچن کر سکتا ہوں۔''

''اوور رولڈ۔ وہ کراس کے دوران لیڈنگ سوال پوچھ سکتے ہیں۔'' جج صاحب نے اعتراض رد کیا تو زمر سر جھٹک کے رہ گئی۔ میری بولنے لگی۔

''جی میں زیادہ تر نیچے کچن میں ہی رہتی تھی اور پارٹیز میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔''

''میری اینجیو کیا یہ درست ہے کہ سونیا کا ردار کی سالگرہ پہ' یعنی سعدی کے اغوا سے چند دن قبل آپ کی سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟''

''جی۔ وہ پارٹی میں آیا تھا اور میں چونکہ کچن میں ہوتی تھی ور کچن گھر کی پچھلی طرف ہے تو میں نے اسے وہاں ٹہلتے دیکھا تھا۔ وہ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔''

''اور کیا آپ بتائیں گی کہ وہ کیا بات کر رہا تھا؟'' سعدی حیرت سے آگے کو ہوا۔ میری فرفر بولنے لگی۔

''وہ ایک نمبر د ہرا رہا تھا اور وہ جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ جلد ہی چند ماہ کے لیے منظرِ عام سے غائب ہو جائے گا اور آرام سے جج کے فائیو facility پہ آ کر پوری لگن سے کام کرے گا اور اس نے کچھ ایسا بھی کہا تھا کہ ڈیزائننگ مکمل ہو گئی ہے' اب صرف ان کو اس میزائل کی میکنگ پہ کام کرنا ہے' اور یہ بھی کہ وہ رقم کا انتظام کر رہا ہے۔'' وہ بے چینی سے اٹھی۔

''یور آنر ہاشم کا ردار کیس کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔ ان بے بنیاد باتوں کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''نہیں جناب عالی۔ میں صرف وہ وجہ عدالت کے سامنے رکھ رہا ہوں جس کی بنیاد پہ سعدی یوسف نے میرے گھر سے نیکلیس چرایا اور چونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ میری اس کی باتیں سن چکی ہے' اس لیے اس نے میری کو اس کیس میں گھسیٹنا چاہا' اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ ایک بیمار بچے کی ماں ہے۔ اور عدالت کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جج کے فائیو شوال میں واقع ایک مسجد کے انڈر گراؤنڈ بنی ایک دہشت گردوں کی آماجگاہ ہے جہاں وہ اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ دفاع آج بھی اپنی اس بات پہ قائم ہے یور آنر کہ سعدی یوسف نے صرف اپنی غیر قانونی سرگرمیوں پہ پردہ ڈالنے کے لیے اور لوگوں کی ہمدردی لے کر ایک اسٹار بن جانے کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ اب سعدی ایک اسٹار ہے۔ اس کو بڑے بڑے فورمز پہ بلایا جاتا ہے جہاں جانے کے لیے پہلے اس کے پاس کوئی سیکیورٹی کلیئرنس نہیں تھی' مگر جس دن ایسے کسی حساس نوعیت کے فنکشن میں کوئی دھماکہ یا ٹارگٹ کلنگ ہو گی نا یور آنر' اس دن دفاع کی ساری باتیں سچ ثابت ہو جائیں گی۔''

وہ اب گواہ کو واپس بھیج رہا تھا اور زمر اور سعدی ایک دوسرے کو اچھنبے سے دیکھ رہے تھے۔

پیچھے بیٹھا فارس نگاہیں آخر میں بیٹھے شخص پہ جمائے ہوئے تھا۔ وہ لیاقت علی خان کی سی عینک والا ادھیڑ عمر شخص' زنانہ انداز میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا خاموشی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

اب ایک دوسرے گواہ کو پیش کیا جا رہا تھا۔ ایسے میں فارس اٹھا اور موبائل پہ بٹن دباتا' سر جھکائے اس آدمی کے قریب آ بیٹھا۔ اس شخص نے محض ایک دفعہ فارس کو دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔

زمر اس گواہ سے سوالات پوچھ رہی تھی جبکہ فارس جیب سے قلم کاغذ نکال رہا تھا۔ پھر وہ گھٹنے پہ کاغذ رکھے موبائل اسکرین سے چند نمبرز دیکھ کر اتارنے لگا۔ غیر آرام دہ سی پوزیشن میں رکھنے کے باعث یکا یک قلم اس کی انگلیوں سے پھسلا اور اس شخص کے قدموں میں جا گرا۔

''اوہ ہو!'' فارس جھنجھلایا تھا۔ اس آدمی نے سرسری سی نظر اس پہ ڈالی' پھر جھکا اور قلم اٹھا کر فارس کی طرف بڑھایا۔

''جزاک اللہ خیراً کثیرا!'' وہ مشکور سا قلم کو کنارے سے تھامتا اٹھ کھڑا ہوا' اور اپنی چیزیں سنبھالتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی اس نے اور ایک پلاسٹک بیگ جیب سے نکال کر احتیاط سے قلم اس میں ڈال کر سیل کیا۔ پھر موبائل پہ میسج لکھا۔

''اس آدمی کے فنگر پرنٹس لے لئے ہیں' فیشل ریکوگنیشن سے کچھ نہیں ملا تو شاید فنگر پرنٹ سے مل جائے۔ میں کچھ دیر میں تمہاری طرف لا رہا ہوں یہ سب۔ مجھے پتہ کر کے دو کون ہے یہ۔'' اپنے ایک پرانے کولیگ کو پیغام لکھ کر اس نے احتیاط سے قلم کا پیکٹ جیب میں ڈالا اور پھر مڑا ہی تھا کہ ٹھٹک گیا۔

آبدار اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ سرخ رومال سر پہ باندھے' اور اس سے نکلتے سیدھے سرخ بالوں کو چہرے کے ایک طرف ڈالے' بلی جیسی گرے آنکھیں اس پہ جمائے' وہ مسکرا رہی تھی۔

''آپ!'' وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

''میری اینجیو والی فوٹو میں نے صبح مسز زمر کو دی تھی۔'' اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

''دیکھیں آبدار' اگر تو آپ....''

''میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔'' وہ اتنی سادگی سے گویا ہوئی کہ فارس کے الفاظ لبوں پہ آ کر ٹوٹ گئے۔ وہ اس شے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ ناسمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

''اس روز جو میں نے کیا وہ بہت غلط تھا۔ یا اس کا طریقہ غلط تھا۔'' وہ ندامت سے کہہ رہی تھی۔ نظریں نہ جھکی تھیں نہ ہاتھ مل رہی تھی' بلکہ سینے پہ بازو لپیٹے' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''میں نے آپ کو یوں بلایا اور آپ کو مجھے avoid کرنے کے لئے حنین کو بھیجنا پڑا۔ آئی ایم سوری کہ میں نے اپنا اتنا غلط امپریشن دیا۔ آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے۔'' اس نے افسوس سے ''چچ'' کیا تھا۔ ''اصل میں میری زندگی میں' فارس' بہت لوگ نہیں ہیں۔ صرف بابا ہیں اور ان کے پاس میرے لئے وقت نہیں ہوتا' تو میں دوسرے لوگوں سے خود کو زبردستی اٹیچ کرنے لگ جاتی ہوں۔ ذرا مجھ سے کوئی ہمدردی سے بات کرے تو میں اس کو اپنا گائیڈ' اپنا دوست مان لیتی ہوں۔ کتنی کوئی بے چاری ہوں نا میں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ خفت سے بولا تھا۔ آبدار زخمی سا مسکرائی۔

''ایسی ہی بات ہے۔ مجھے اگر ثبوت دینا تھا تو مجھے بدلے میں آپ سے آپ کا وقت نہیں مانگنا چاہیے تھا۔ میں صرف اپنے بابا کے متعلق چند باتیں کرنا چاہتی تھی مگر میری اپروچ غلط تھی۔ اس لئے میں نے صبح جو ٹپ دی وہ ڈائریکٹ زمر کو دے دی' اور بدلے میں کسی چیز کی امید نہیں رکھی۔ آپ سے بھی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ پلیز میرے امیچور رویے کے لئے مجھے معاف کر دیجئے گا۔ آئندہ آپ کو میں کبھی تنگ نہیں کروں گی۔''

ماحول کا تناؤ دھیرے دھیرے فضا میں گھل کے ختم ہو گیا تھا۔ فارس کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اس نے رسان سے سر ہلا کر بس اتنا کہا۔ ''گڈ۔ اب آپ کو یوں سرِ راہ مجھ سے ملنا نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کو مجھ سے کسی بھی قسم کے تعلق کی وجہ سے

نقصان پہنچے۔!'' وہ دامن بچانے والے انداز میں کہہ کر ایک طرف سے نکل گیا۔ قوی امید تھی کہ وہ پیچھے سے پکارے گی' کوئی نئی بات کرے گی' نیا موڑ دے گی' مگر اس نے نہیں پکارا۔ وہ راہداری میں آگے بڑھتا گیا۔ سماعت ختم ہو چکی تھی اور تمام افراد باہر آ رہے تھے۔

ہاشم بھی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ فارس اس سے لاتعلق سا ساتھ سے گزرنے لگا تھا کہ جب ہاشم نے اس کے کندھے سے اپنا کندھا چھوا۔ فارس ٹھہر گیا۔

''یہ مت سمجھنا کہ مجھے خبر نہیں ہے یا یہ کہ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔ جو تم کر رہے ہو نا' اس کا حساب دو گے تم!'' اور ایک سرخ انگارہ سی نظر فارس پہ ڈالی۔

''اووو!'' فارس نے فکرمندی سے لب سکیڑے۔ ''میں ڈر گیا۔ دیکھو میرے ہاتھ بھی کانپ رہے ہیں۔'' ہاشم خاموشی سے آگے بڑھ گیا تو فارس نے سر جھٹکا اور موبائل نکالتے ہوئے قدم مخالف سمت بڑھا دیے۔

پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتی آبدار مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم چلتی جا رہی تھی جب پیچھے سے کسی نے اسے کہنی سے پکڑ کے موڑا۔ وہ جھٹکا کھا کے مڑی۔ سامنے جواہرات سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اسے گھور رہی تھی۔

''جو تم نے کیا ہے نا اس پہ تمہاری جان بھی لے سکتی ہوں۔'' وہ زخمی سا غرائی تھی۔ آبدار نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''بنو مت۔ مجھے کہا کہ وہ ویڈیو ضائع کر دی اور خود ہاشم کو دے دی۔ مجھے میرے بیٹے سے دور کرنا چاہتی ہو؟''

''اوہ!'' آبدار نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ہاشم نے دیکھ لی وہ؟ مگر میں نے اسے نہیں دی۔''

''سنو تم!'' وہ نفرت سے انگلی اٹھا کے پھنکاری تھی۔ جواہرات کے پیچھے آبی دیکھ سکتی تھی کہ دور' راہداری کے دوسرے سرے پہ زمر سعدی حنین اور فارس' ندرت کے ساتھ کھڑے تھے۔ سب سے زیادہ نمایاں زمر نظر آ رہی تھی۔ اونچی گھنگریالی پونی کے باعث جو اس کا سر ہلانے سے جھولنے لگتی' وہ مسکرا کر فارس سے کچھ کہہ رہی تھی' کوئی جلا کٹا تبصرہ اور وہ بھی شاید جواب میں کوئی برابر کا جملہ کس رہا تھا' اور حنین ہنس رہی تھی۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی اب کہ تم....''

''وہ ویڈیو ہاشم کو زمر نے دی ہے۔ میں نے نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ ''میں نے تو اس کو ضائع کر دیا تھا مگر زمر اور اس کی وہ چھوٹی بھتیجی' ان دونوں نے مجھے ڈنر پہ بلایا' میرا ٹیب ہیک کیا' ڈیٹا کاپی کیا اور چلتی بنیں۔ یہ میری کی تصویر بھی وہیں سے ملی ان کو۔ میں ان کی مخبر نہیں ہوں' ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا ہے۔''

جواہرات ٹھہری تھی مگر پھر نفرت میں ڈوبی بے یقین نظروں سے اسے دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے یقین نہیں ہے۔''

''تو ہاشم سے پوچھ لیں۔ میں نے اسے ایسا کچھ نہیں دیا۔ ان لوگوں نے ہی دیا ہوگا۔ جان لینی ہے تو شکار سامنے کھڑا ہے۔'' وہ شانے اچکا کے' اپنا بازو چھڑاتی واپس مڑ گئی۔ جواہرات غصے سے پھنکارتی کھڑی رہ گئی۔ ایک نظر مڑ کے اس دور نظر آتی خوش باش فیملی کو دیکھا' اور پھر پیر پٹختی آگے بڑھ گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے حکم صادر کیا تھا۔ ''کلب چلو۔'' مگر چونک کے ڈرائیور کو دیکھا۔ پھر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے لحیم شحیم گارڈ کو۔

''بخت خان کہاں ہے؟ اور تم دونوں آفس سے یہاں کیوں آئے ہو؟''

ہٹے کٹے گارڈ نے رخ موڑ کے اسے دیکھا۔ ''ہم آپ کی نئی سیکیورٹی ٹیم کا حصہ ہیں۔ کاردار صاحب نے کہا ہے کہ آپ کی زندگی کو خطرہ ہے' ہمیں آپ کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔''

''مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔نکلو میری کار سے'اور میری ذاتی ٹیم کو واپس بلاؤ۔'' وہ تلملا کر بولی تھی۔

''ہمیں اس کا حکم نہیں ہے' میم۔اب ہمیں چلنا چاہیے۔رات آٹھ بجے سے پہلے ہمیں آپ کو گھر پہنچانا ہوگا۔اس سے زیادہ باہر رہ کر خطرہ مول لینے کی اجازت سر نے ہمیں نہیں دی۔چلو!'' وہ ڈرائیور کو اشارہ کر کے بولا۔

جواہرات نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا۔ایک دم اپنا آپ بے حد کمزور اور ناتواں لگنے لگا تھا۔لمبی سی گاڑی کے سیاہ شیشے کسی قید خانے کی سلاخوں سے کم نہیں لگ رہے تھے۔اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

.....❖❖❖.....

اب کوئی چاند میرا ہے نہ ستارہ محسن ..... اب کہاں جاؤں گا میں درد کا مارا محسن

مور چال کی سبز بیلیں اس کھلتی ہوئی صبح میں فخر سے سارے گھر کو ڈھانکے' سورج کے سامنے تن کر جمی نظر آتی تھیں۔اندر آملیٹ کی خوشبو' چائے اور کافی کی مہک کے ساتھ فضا میں رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ڈائننگ ٹیبل سے زمرا اٹھ چکی تھی اور اب کورٹ کے لئے تیار ہو رہی تھی۔فارس کو جاب لیس ہونے کا طعنہ دینا اور نئی نوکری ڈھونڈنے کے لئے غیرت دلانا بے کار تھا۔وہ ڈھٹائی سے سست انداز میں اپنی کافی پی رہا تھا جب سعدی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔سعدی تیار سا کھڑا تھا۔''چلنا نہیں ہے؟''

''کار اسٹارٹ کرو' میں آرہا ہوں۔''

''ڈرائیور کب سے ہو گیا میں آپ کا؟'' وہ خفا سا کہتا جیسے ہی پلٹا' سامنے بیٹھی ندرت نے آنکھوں سے فارس کو اشارہ کیا۔فارس نے جواباً سر کو خم دے کر تسلی دینے والا اشارہ کیا۔چائے کے گھونٹ بھرتی حنین نے مشکوک نظروں سے دونوں کو دیکھا۔پھر سعدی کو پکارا۔''بھائی' امی اور ماموں آپ کے بارے میں اشاروں میں.... آؤچ۔'' ندرت نے ہلکی سی سہی مگر اس کی سر کی پشت پہ چپت لگائی تھی۔سعدی اپنی ایڑھیوں پہ گھوما اور باری باری امی اور ماموں کو دیکھا۔

''امی اور ماموں کیا؟'' حنہ نے اپنے سر کو سہلاتے ہوئے فارس کو دیکھا جس نے اسے صرف گھورا تھا' پھر خفگی سے بولی۔''امی اور ماموں ہم سے بالکل پیار نہیں کرتے۔مجھے یقین ہے انہوں نے مجھے کسی ہسپتال سے چرایا تھا۔امی کسی زمانے میں وہ ڈراموں والی نرس ہوں گی' وہ جو لوگوں کے بچے ایکسچینج کرتی ہیں....'' وہ بولتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور آگے بھاگ گئی۔

''بے غیرت' بدتمیز۔'' ندرت نے برے موڈ کے ساتھ جوتا اس سمت میں پھینکا جہاں وہ گئی تھی۔حنہ اندر مڑ گئی۔جوتا راہداری میں گر گیا۔لمحے بھر بعد حنہ نے ستون کے پیچھے سے گردن نکالی۔''امی' آپ ہماری ون ڈے ٹیم میں کیوں نہیں چلی جاتیں؟ نشانہ آپ کا بالکل ان کے جیسا ہی ہے۔'' اور جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔

فارس اور سعدی نکل گئے تو امی حنہ کو دو ہزار صلواتیں سنا کر (دوسروں کی بیٹیاں دیکھی ہیں کتنی تمیز دار' گھڑ' صوم وصلوٰۃ کی پابند ہوتی ہیں' منہ میں زبان نہیں ہوتی' اور ایک یہ بے غیرت اولاد میرے ہی حصے میں آنی تھی۔) کچن میں جا چکی تھیں' اور اب نشانہ حسینہ تھی۔

''ٹھیک سے گوندھو آٹا۔اور یہ روز روز نیا سونے کا زیور چڑھا کے کام کرنے نہ آیا کرو۔آیا وڈا تیرا میاں' اگر لے کر دیتا ہے تو یہاں سے جا کر پہنا کرو' شوخی نہ ہو تو۔'' یہ ندرت کی روٹین کی ٹون تھی اور اس پہ حسینہ نے دل ہی دل میں روٹین کے کئی کوسنے ان کی نذر کیے تھے' مگر بظاہر سر جھکائے آٹا گوندھتی رہی۔

ایسے میں حنہ دوبارہ لاؤنج میں آ گئی تھی اور اب دوپٹہ کس کے' بال باندھ کے' جوش سے کھڑی گردن اٹھائے چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا نے اخبار سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟ پھر سے گھر کی صفائی؟''

''جتنی صفائی کرنی تھی کرلی۔اب میں وہ کروں گی ابا جو آج کل کی نکمی' سست' اور لاپرواہ یعنی ''عام'' لڑکیاں بالکل نہیں کرتیں۔''

''اور وہ کیا ہے؟'' مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''میں عام لڑکی نہیں ہوں' یہ تو آپ جانتے ہیں۔اس لیے میں اب DIY گرل بن رہی ہوں ابا۔DoItYourself۔عام لڑکیوں کو پکی پکائی کھانے کی عادت ہوتی ہے۔نکمی نہ ہوں تو! میرے جیسی ہر چیز خود کرتی ہیں۔وہ گھر ڈیکوریٹ کرنے کے لئے انٹیریئر ڈیکوریٹر نہیں ہائر کرتیں' گھر پینٹ کرنے کے لئے مستری مزدور نہیں بلواتیں۔دیواروں پہ فریمز ٹھونکنے کے لئے یا پردوں کی ریلنگ لگانے کے لئے لمبے بھائیوں یا ملازموں کی منتیں نہیں کرتیں۔مجھے کسی مستری مزدور' ترکھان' پردوں والے' پینٹ والے کی ضرورت نہیں ہے۔میں اب یہ سارے کام خود کرسکتی ہوں۔صرف چند دن کی محنت سے ابا ہم لڑکیاں اپنے گھروں کو اتنا خوبصورت' اور اتنا آرام دہ بنا سکتی ہیں جتنے امیر لوگوں کے اونچے اونچے قصر بھی نہیں ہوتے۔میں سمجھتی تھی بڑے گھر خوبصورت ہوتے ہیں' مگر نہیں ابا۔خوبصورت گھر ہی خوبصورت ہوتے ہیں' پھر وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔مگر یہ عام لڑکیاں ان کو نہیں خوبصورت بنا سکتیں۔صرف میرے جیسی خاص لڑکیاں یہ کرسکتی ہیں۔'' وہ ایک عزم سے کہہ رہی تھی۔ابا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہارا مطلب ہے اب تم دیواروں پہ اوپر چڑھ کے خود کیل ٹھونکتی پھرو گی؟ ہرگز نہیں۔ایسے تو چوٹ لگ جائے گی۔'' انہیں بات پسند نہیں آئی تھی۔

''دیکھا!'' حنین نے چٹکی بجائی۔''یہ آپ مرد ہی ہوتے ہیں جو ہم لڑکیوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے۔مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کا مطلب دس مردوں میں بیٹھ کے مردوں کی طرح قہقہے لگانا' اور رات دیر دیر تک باہر گھومنا نہیں ہوتا۔بلکہ مردوں کے جیسے کام خود کرنا ہوتا ہے۔دوسروں کی محتاجی سے بچنا ہوتا ہے۔آج سے میں ابا اپنے سارے گھر کو ری ماڈل کرنے جا رہی ہوں۔اور مجھے کوئی نہیں روکے گا۔'' پھر چہرے کے گرد ہاتھوں کا پیالہ بنا کر آواز لگائی۔''ندرت بہن آپ بھی نہیں۔''

''ہاں ہاں تجھے میں کرنے دیتی ہوں اپنے گھر کا بیڑہ غرق!'' وہ جواباً وہیں سے غرائی تھیں۔حنین نے افسوس سے ابا کو دیکھا۔

''چچ چچ۔پتہ نہیں جب یہ نرس تھیں تو مجھ جیسے کتنے بچے اپنے اصلی ماں باپ سے جدا کیے تھے۔''

''بڑے موڈ میں ہو آج!'' زمر باہر آئی تو مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔کوٹ پہنے' بال بنائے' وہ کچہری کے لئے نکل رہی تھی۔ہاتھ کی انگوٹھی اور ناک کی لونگ جگمگا رہی تھی۔حنہ نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

''میری زندگی کے سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں' اور اب میری زندگی میں مزید کوئی مسئلہ نہیں ہے۔اس لئے میں خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی ہوں۔'' اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور وہ کھلی کھلی تازہ دم لگ رہی تھی۔کہہ کر وہ مڑ کے پھر سے در و دیوار کو یکھنے لگی اور چونکہ سوچ بھی رہی تھی تو عادتاً ناخن چبانے لگی۔

''خاص لڑکی' پہلے اپنی اس عادت کو تو بدلو۔'' زمر نے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی تو وہ چونکی۔جلدی سے ناخن دانتوں سے نکالے۔

''تمہیں اندازہ ہے تم بچے منہ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے کتنے برے لگتے ہو؟ اور ناخن چاہے کھا رہی ہو یا دانتوں سے کتر کے پھینک رہی ہو' یہ تمہارے جسم کا حصہ ہے اور اس کو یوں چیرنے کی اجازت اللہ نے تمہیں نہیں دی۔سوال ہوگا اس کے بارے میں بھی۔اپنی اس عادت کو تمہیں خود ختم کرنا ہوگا۔کم از کم اتنی کمزور نہیں ہو تم کہ اپنے دانتوں سے ہار مان جاؤ۔ناخن کترنے سے دماغ کمزور ہوتا جاتا ہے حنہ لیکن سب سے زیادہ ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ ہم ناخن کھانے والوں کو مردہ انسانوں کا گوشت کھانے والوں کے ساتھ ہی نہ کھڑا کردے قیامت کے دن۔کیونکہ بات تو ایک ہی ہے نا۔''